ماہنامہ

قومی ڈائجسٹ

لاہور

جنوری 2020ء

محمد متین خالد کی کہانی
ان کی اپنی زبانی

"اخبار فروش کے بغیر
اخباری صنعت نامکمل ہے"

صدر اخبار فروش یونین لاہور
چوہدری نذیر احمد سے خصوصی ملاقات

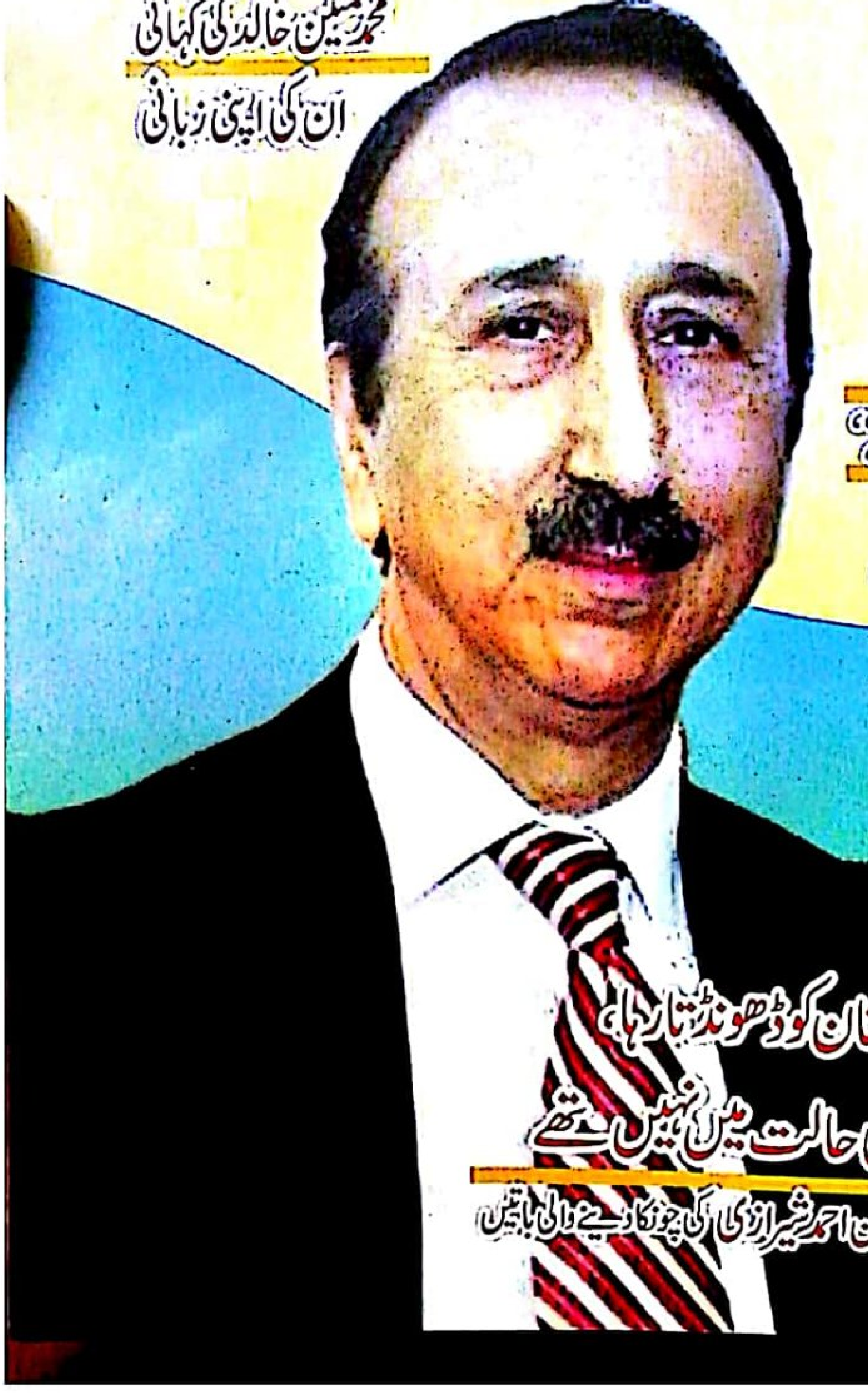

بھارتی طیارہ
اغواء ہو کر پاکستان آیا
تو چیف سیکرٹری
تین دن تک صدر پاکستان کو ڈھونڈتا رہا،
لیکن وہ بات کرنے کی حالت میں نہیں تھے

ممتاز بیوروکریٹ اور مزاح نگار حسین احمد شیرازی کی چونکا دینے والی باتیں

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

روزنامہ پاکستان

قوم کے ہر فرد کی آواز

ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور

جنوری 2020 ◉ جلد 42 ◉ شمارہ 1

چیف ایڈیٹر: مجیب الرحمٰن شامی

ایڈیٹر: عثمان شامی

مینجنگ ایڈیٹر: علی شامی

سینئر ایڈیٹر: خالد ہمایوں

قیمت: پاکستان: 100 روپے۔ سالانہ چندہ: بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک: 1440 روپے، بذریعہ عام ڈاک 1000 روپے ۔ متحدہ عرب امارات: 11 درہم ۔ سعودی عرب: 11 سعودی ریال
بیرون ملک بدل اشتراک: سعودی عرب، یو اے ای، بحرین، قطر، تھائی لینڈ، چین، جاپان، کوریا، ہانگ کانگ، سنگاپور، مالدیپ، ڈنمارک، ناروے، فرانس، سویڈن، ہالینڈ، بلجیم، یونان، جرمنی، برطانیہ 4000 روپے انڈونیشیا، ملائیشیا، نائیجریا، جنوبی افریقہ، بھارت، لیبیا، سوڈان، بنگلہ دیش 4000 روپے، آسٹریلیا، کینیڈا، امریکہ 4500 روپے

خط و کتابت کا پتہ: دفتر ماہنامہ قومی ڈائجسٹ 41 جیل روڈ لاہور، فون: 65-042-35404061
فیکس: 67-042-35404066

Email
qaumidigestpak@gmail.com

مجیب الرحمٰن شامی پرنٹر پبلشر نے قومی پریس سے چھپوا کر 41 جیل روڈ لاہور سے شائع کیا

Scanned by CamScanner

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

اس شمارے میں

انٹرویوز

حسین احمد شیرازی — حامد ولید — 9

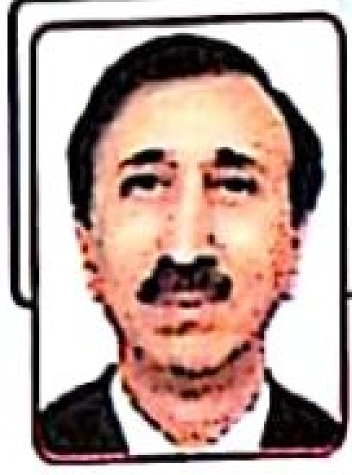

چوہدری نذیر احمد — خالد ہمایوں — 113

کہانیاں

خلش — خالد محی الدین — 25

دودھ کا دودھ پانی کا پانی — حافظ محمد ادریس — 37

اجنبی شناسائی — خالد فتح محمد — 43

خوبصورت احساس — مسعود علی خان — 49

چور کون؟ — ڈاکٹر بصیرہ عنبرین — 110

آدھے پیسے میں کیسے بسر ہو؟ — اے کے رامانجن/مترجم: طاہرہ حسن — 121

رازِ دروں — طلعت سلیم — 153

افسانچے — عثمان احمد — 156

تاریخ

مُلّا دو پیازہ کون تھا؟ — حافظ محمود شیرانی — 98

خاکہ

حسین احمد شیرازی — محمد ہمایوں — 159

بک شیلف

دیارِ مجدد سے داتا نگر تک — جمیل اطہر قاضی — 127

مآثر الاجداد — محمد فاروق عزمی — 149

طنز و مزاح

لطائف — ایثار رانا — 48

سیر و سیاحت

ہنزہ کے رات دن — عمران الحق چوہان — 162

یادداشتیں

محمد متین خالد — قلمبندی: عبدالستار اعوان — 59

اسلامیات

معجزات، کرامات، روایات، خرافات — عبدالمجید خان — 28

حالاتِ حاضرہ

باتیں ناروے کے سفیر کی — محسن فارانی — 53

حیوانیات

ڈاکٹر وقار علی گِل — 103

کتب بینار

مرتب: خالد ہمایوں — 169

اداریہ

امید کی کرن، مگر کیسے؟ — خالد ہمایوں — 7

Scanned by CamScanner

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

قلمبندی
عبدالستار اعوان

محمد متین خالد

جناب محمد متین خالد تحریک تحفظ ختم نبوت کے ایک صاحب قلم راہنما ہیں انہوں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ اس تحریک کی نذر کر دیا ہے۔ ان کی تحریر اور مکالمے سے تحریک کو نئے ولولے ملے ہیں۔ ان کے تجربات و مشاہدات ہمارے تہذیبی زندگی کے بہت سے گوشوں کو پہلی دفعہ بے نقاب کرتے ہیں۔ آیئے ہم ان کی کہانی انہی کی زبانی سنتے ہیں!

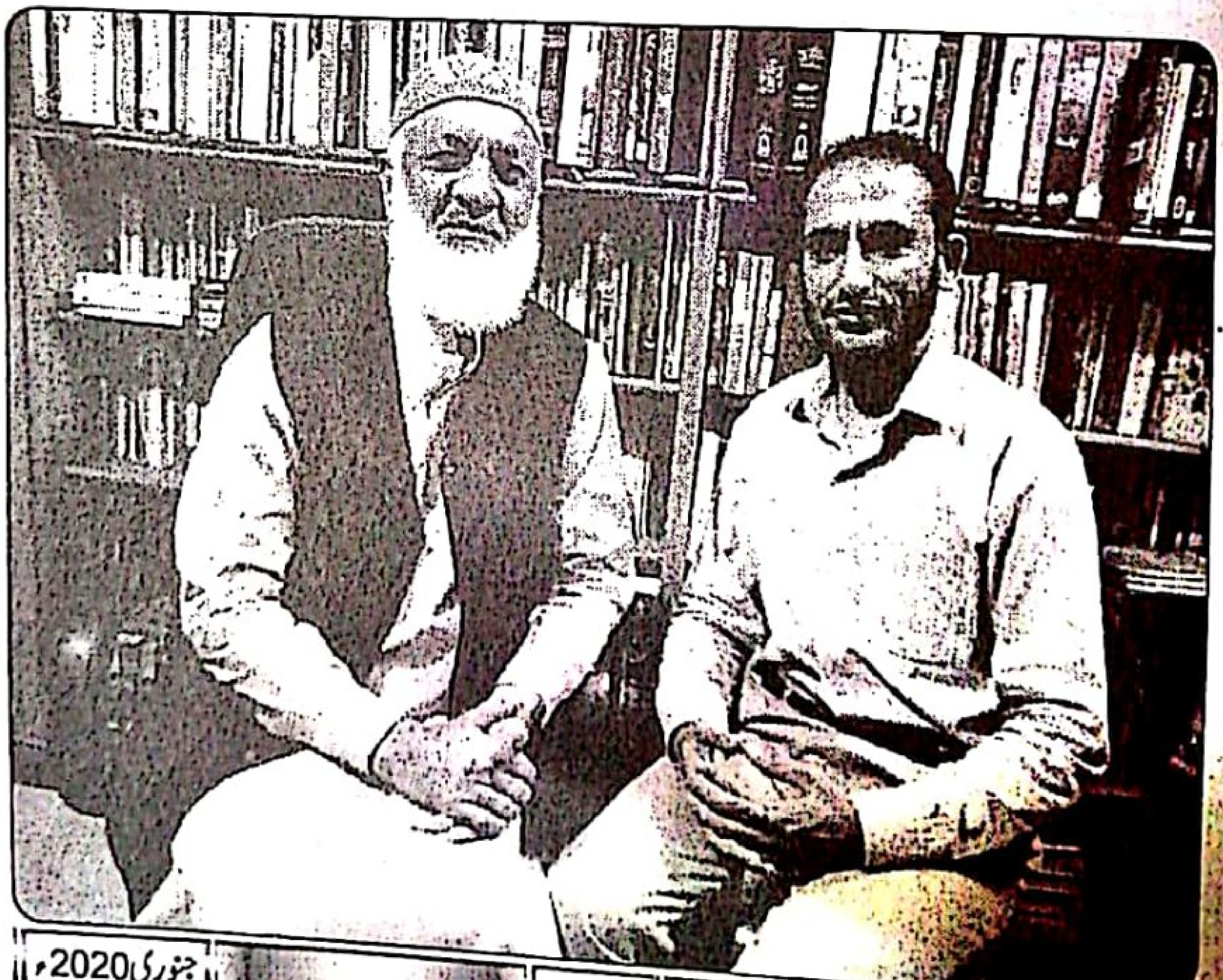

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

میرے والد صاحب کا نام غلام محمد تھا اور وہ اپنے والد یعنی میرے دادا جان کے ہمراہ 1947ء میں بھارت کے ضلع ہوشیار پور سے ہجرت کر کے پاکستان پہنچے تھے۔ میرا تعلق گوجر قوم سے ہے۔ میرے والد صاحب جب ہمیں ہجرت کی خونچکاں داستان سناتے تو ہم بچے کانپ کانپ جاتے تھے۔ والد صاحب بتایا کرتے تھے کہ یہ وطن ہم نے فی الواقع خون کے دریا عبور کر کے حاصل کیا ہے۔ ہجرت کے وقت ہمیں سب سے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ ہم اپنی عورتوں کی حفاظت کیسے کریں۔ ہم لوگ ذکر اذکار کرتے ہوئے ہوشیار پور سے نکل آئے اور خوف کی فضا میں یہاں پہنچے اور جب پاکستان کی سرحد میں داخل ہوئے تو ہمارا خوف ختم ہوا۔

پاکستان پہنچ کر والد صاحب منڈی بہاؤالدین کے ایک گاؤں چک نمبر 2 شمالی میں آباد ہوئے۔ میرے ننھیال کا تعلق پپلاں ضلع میانوالی سے ہے۔ وہاں میرے والد صاحب کی شادی تقسیم ہند کے کچھ ہی عرصہ بعد ہوئی۔ والد صاحب فوج میں ملازمت کرتے تھے اور وہیں سے ریٹائر ہوئے۔ پپلاں میں پٹھان برادری کے ساتھ ہمارے ماموں کا کوئی جھگڑا ہوا تو میرے بڑے ماموں سے ایک شخص قتل ہو گیا۔ میری نانی جان بہت جہاندیدہ خاتون تھیں، کہنے لگیں، بیٹا بات یہ ہے کہ لوگ بھلے آپ کو ڈرپوک کہیں یا کچھ اور، بہتری اسی میں ہے کہ ہم مستقل طور پر یہ علاقہ چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں کیونکہ اگر ہم یہیں رہتے ہیں تو ہماری دشمنی مزید بڑھتی جائے گی جس سے بہت نقصان ہوگا۔

میری نانی اماں کی ہدایت کے مطابق ہمارے ماموں نے تمام زمین اونے پونے داموں بیچ ڈالی اور چک نمبر 172 ایم ایل۔ اڈہ شوکت والا (بھکر) کے قریب آباد ہو گئے۔ میری والدہ صاحبہ شادی کے بعد والد صاحب کے پاس منڈی بہاؤالدین آ گئیں اور پھر 1962ء میں میرے والدین منڈی بہاؤالدین سے مستقل طور پر ہجرت کر کے ننکانہ صاحب آ کر آباد ہوئے۔ میری جائے پیدائش تحصیل پپلاں ضلع میانوالی ہے اور میں پانچ اکتوبر 1960ء کو پیدا ہوا۔

میری نانی اماں ان پڑھ خاتون تھیں لیکن وہ روزانہ قرآن پاک کی تلاوت کرتیں۔ قرآن مجید کی جلد کے اندرونی حصہ پر اللہ تعالیٰ کے 99 نام اور جلد کے دوسری طرف حضور نبی کریمؐ کے اسمائے گرامی لکھے ہوتے تھے تو میری نانی اماں ان دونوں حصوں کی بھی تلاوت فرمایا کرتیں۔ میرا نام جو 'محمد متین خالد' رکھا گیا تو یہ انہوں نے ہی رکھا۔ نانی اماں کہا کرتی تھیں کہ میں نے یہ نام 'متین' اس لیے رکھا ہے کہ یہ اللہ رب العزت کا بھی نام ہے اور نبی کریم ﷺ کا بھی۔

ہم پانچ بھائی ہیں اور ہماری کوئی بہن نہیں۔ بڑے بھائی کا نام محمد امین جاوید ہے جو ننکانہ صاحب میں ہوتے ہیں اور بلدیہ سے ریٹائر ہوئے۔ ان سے چھوٹے محمد شاہین پرواز ننکانہ صاحب سے گریڈ اٹھارہ میں بطور سینئر ٹیچر ملازمت سے سبکدوش ہوئے، وہ آج کل لاہور میں رہائش پذیر ہیں۔ تیسرے نمبر پر میں ہوں اور چوتھے نمبر پر تنویر شہزاد ہیں جو سینئر صحافی ہیں اور ایک مدت سے جرمنی کے "ڈوئچے ویلے" ریڈیو سے وابستہ ہیں۔ وہ کسی زمانے میں مجیب الرحمٰن شامی صاحب کے "زندگی" میگزین میں بھی کام کرتے رہے۔ ان کا شامی صاحب اور دیگر اہم شخصیات کے ساتھ قریبی تعلق

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

ہے اور انہی کی وجہ سے شامی صاحب ہماری بھی عزت کرتے ہیں۔ ہمارے سب سے چھوٹے بھائی قدیر شہزاد ہیں جو مستقل طور پر مانچسٹر برطانیہ میں آباد ہیں۔

میں نے 1976ء میں گورنمنٹ ہائی سکول ننکانہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ 1978ء میں گورنمنٹ گرونانک ڈگری کالج سے انٹرمیڈیٹ اور 1980ء میں اسی کالج سے بی اے کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی لا کالج میں داخلہ لے لیا۔ یہاں ہمارے استاد سردار اقبال موکل صاحب تھے، جو ایک عظیم انسان تھے۔ یہاں ''لا'' کے دو امتحان ہوتے تھے: ''ایف ای ایل'' (فرسٹ ایگزامینشن آف لا) اور دوسرا ''ایل ایل بی''۔ میں نے پہلا سال مکمل کر کے ''ایف ای ایل'' کیا لیکن بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر میں ایل ایل بی نہ کر سکا۔ 1982ء میں میں نے سٹیٹ بینک آف پاکستان میں ملازمت کے لیے اپلائی کر دیا اور میرا تقرر راولپنڈی سٹیٹ بینک میں ہو گیا جہاں میں ایک سال رہا اور اس کے بعد میرا لاہور تبادلہ ہو گیا، پھر پوری سروس یہیں پر پوری کی۔ 2015ء میں ریٹائر ہوا۔ دوران سروس ہی پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات کر لیا۔

1971ء میں جب میں ننکانہ صاحب میں پرائمری سکول میں پڑھتا تھا اس وقت سکولوں میں سہولتیں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ ہم گھر سے ٹاٹ اور بوریاں لے کر جاتے اور درختوں تلے بیٹھ کر پڑھتے لیکن اس دور کے اساتذہ کرام بہت زیادہ محنتی تھے۔ وہ لوگ واقعی اپنے پیشے کے ساتھ مخلص تھے۔ ہمارے ریاضی کے استاد رحیم بخش صاحب تھے، وہ ہمیں بلند آواز کے ساتھ پڑھایا کرتے۔ استاد سخی محمد صاحب، یامین صاحب، ماسٹر محمد رمضان صاحب یہ سب بہت محنتی تھے۔ انہوں نے بڑے اچھے طریقے سے پڑھایا اور بہت اچھی تربیت کی۔ ان اساتذہ نے تعلیم کے بنیادی تصورات بہت پختہ کر دیے اور پھر ہم اسی بنیاد پر آگے بڑھے۔ اس وقت انگلش چھٹی کلاس سے شروع ہوتی تھی اور اس وقت اسے ایک بورنگ سبجیکٹ کے طور پر لیا جاتا تھا لیکن ان اساتذہ نے اس مضمون میں اس قدر دلچسپی پیدا کی کہ ہمیں شوق پیدا ہوا کہ زیادہ سے زیادہ انگلش سیکھیں۔ اس دور میں اساتذہ بدنی سزا بھی دیتے تھے۔ ہم استاد کو گلی میں دیکھتے تو احتراماً راستہ بدل لیتے تھے، استاد کی عزت کا تصور بہت زیادہ تھا۔ استاد مارتے ضرور تھے لیکن ہونہار طالب علموں کے ساتھ بہت زیادہ شفقت بھی فرماتے۔

میں شروع ہی سے شرارتی تھا لیکن پڑھائی کے معاملے میں کبھی غفلت نہ کی۔ پہلی جماعت سے لے کر آخر تک اللہ کے فضل سے کبھی فرسٹ، سیکنڈ اور تھرڈ پوزیشنیں لیتا رہا۔ میرے لیے سب سے خشک مضمون سائنس تھا اور سب سے زیادہ دلچسپ ریاضی اور انگلش تھے۔ میرے ریاضی میں بہت اچھے نمبر آتے رہے۔ اس کے علاوہ آگے جا کر میری زیادہ دلچسپی اسلامیات کے ساتھ ہو گئی۔

جب میرے والد صاحب فوج کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر گھر آ گئے تو انہوں نے تحصیل ننکانہ میں ایک معمولی سی نوکری شروع کی۔ ''بڑا گھر'' کے قریب حنیف رائے صاحب کی زمین کے ساتھ ہی ہماری زمین تھی جس سے ہمیں گندم، چاول، گڑ، دالیں وغیرہ میسر آتی رہتی تھیں۔ والد صاحب نے ایک بھینس رکھی ہوئی تھی اور یوں خالص دودھ ہمیں گھر کا نصیب ہوتا تھا۔ یہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ والدین نے ہمیں کسی چیز کی کمی کا احساس نہ ہونے

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

دیا۔ کھانے پینے میں والد صاحب نے کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اصل بنیاد تو یہی ہوتی ہے کہ کھانے پینے کا نظام بہتر ہو تو اگلی زندگی بھی صحت مند گزرتی ہے۔ بجلی کے بل بہت کم آتے تھے، دیگر اخراجات بھی اس وقت بہت تھوڑے ہوتے تھے۔ گھر میں بہت زیادہ خوشحالی تو نہیں تھی لیکن بہر حال غربت بھی نہ تھی۔

اب میں حالات کا موازنہ اس پرانے دور سے کرتا ہوں تو مجھے ایک چیز میں واضح فرق نظر آتا ہے کہ اس دور میں ''شکر'' کا رویہ بہت تھا اور جو بھی کھانے پینے کو مل جاتا لوگ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کرتے۔ آج تو ہزاروں نعمتیں ہمارے پاس موجود ہیں لیکن ہر وقت شکوہ ہی زبان پر رہتا ہے کہ ہائے فلاں چیز کی کمی اور فلاں چیز کی کمی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ہم صرف عیدین کے موقع پر ہی نئے جوتے اور نئے کپڑے لیتے تھے۔ عید سے پندرہ بیس دن قبل جب ہمارے والد صاحب نئے جوتے اور نئے کپڑے لاتے تو ہم ہر روز اپنی چیزیں نکال نکال کر دیکھا کرتے اور خوش ہوتے رہتے۔ یہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں تھیں اور ہم اپنی لائف بڑی انجوائے کیا کرتے۔ ہم ملیشیا کے کپڑے پہن کر سکول جاتے کیونکہ یہی سکول کی وردی تھی۔

ہمارے والد صاحب ہم پانچوں بھائیوں کے ساتھ بے حد محبت فرماتے لیکن پڑھائی کے معاملے میں بہت ہی سخت مزاج تھے۔ اگر کسی استاد نے انہیں سر راہ بتا دیا کہ آپ کے بیٹے کا ٹیسٹ تھا اور اس کے نمبر اچھے نہیں آئے تو اس پر والد صاحب ہمیں بہت مارتے۔ پڑھائی کے بارے میں گھر میں ایک مارشل لا والی صورتحال ہوتی۔ پھر بعد میں والد صاحب ہمیں پاس بلاتے، پیار کرتے اور کوئی چیز لا کر دیتے اور ہمیں نصیحت کرتے کہ بیٹا میں جو آپ کی پڑھائی کے معاملے میں بہت زیادہ سختی کرتا ہوں تو اس میں صرف اور صرف تمہارا اپنا بھلا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ والدین کی اس تربیت کی وجہ سے الحمدللہ ہم پانچوں بھائیوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور آج اچھی زندگی گزار رہے ہیں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ہمارے والد صاحب خود بالکل ان پڑھ تھے لیکن انہیں بے حد شوق تھا کہ میری اولاد اعلیٰ تعلیم حاصل کرے اور اس معاملے میں وہ بہت ہی سنجیدہ رہتے اور پڑھائی کے معاملے میں ہم پانچوں بھائیوں کے ساتھ ہرگز کوئی رعایت روا نہ رکھتے۔ والد صاحب ہمیں کہتے کہ سبق بلند آواز سے پڑھو، اتنا کہ تمہاری آواز اذان کی طرح اونچی ہونی چاہیے۔ اس کا ہمیں بہت ہی فائدہ ہوا۔ والد صاحب بہت مہمان نواز بھی تھے۔ ہم دیکھا کرتے کہ ہر وقت ان کے پاس دوستوں کا آنا جانا لگا رہتا اور چائے پانی کا دور چلتا رہتا۔

جب میں نے شعور کی آنکھ کھولی تو دیکھا کہ ہمارے والدین بڑے پکے نمازی تھے اور ہر وقت یادِ الٰہی میں مشغول رہتے۔ والد صاحب چائے کے بے حد شوقین تھے۔ وہ صبح نماز سے پہلے ہی کپ چائے کا ضرور پیتے۔ ہمارے گھر میں دو اخبار روزانہ آتے تھے: روزنامہ مشرق اور روزنامہ کوہستان۔ بعد میں ''امروز'' بھی آنا شروع ہو گیا۔ میں نے ہوش سنبھالا تو اپنے گھر میں یہی اخبارات دیکھے اور مجھے جو لکھنے پڑھنے کا ذوق ہے یہ مجھے وہیں سے پیدا ہوا۔ ان اخبارات میں بچوں کا ہفتہ وار صفحہ بھی آتا تھا۔ جو چیز مجھے ابھی تک یاد ہے وہ یہ کہ بچوں کے اس صفحہ پر دو ایک جیسی تصویریں ہوتی تھیں اور نیچے لکھا ہوتا تھا کہ ان تصویروں میں دس مقامات پر فرق

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

تلاش کریں۔ ہم بچے سب سے پہلے یہی کام کرتے تھے کہ پنسل لے کر وہ فرق تلاش کیا کرتے۔ اسی طرح ایک سلسلہ ''راستہ تلاش کیجیے'' کا بھی ہوتا۔ پہیلیاں ہوتی تھیں، مختلف کہانیاں اور لطیفے بھی ہوتے۔ ہم ان تمام سلسلوں میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔

میں روزنامہ مشرق کو کوئی نہ کوئی لطیفہ بھیجتا تھا یا پنسل سے کوئی تصویر یا خاکہ بنا کر بھیجتا تو میری کوئی چیز شائع ہوجاتی تو میں پورے گھر میں خوشی سے اچھلتا پھرتا۔ ظاہر ہے یہ تصویریں اور خاکے بس ایسے ہی ہوتے تھے جس طرح کوئی بچہ الٹی سیدھی لکیریں کھینچ دیتا ہے۔ آج کل تو پھر بھی سکولوں میں یہ سب کچھ بچوں کو سکھایا جاتا ہے لیکن ہمارے دور میں تو ٹاٹ کے سکول ہوا کرتے تھے اور عام پڑھائی لکھائی کے سوا کوئی دوسری دلچسپی کی چیزیں بچوں کو نہیں سکھائی جاتی تھیں۔ دوسری طرف والد صاحب ہمیں روزانہ یہ حکم دیا کرتے تھے کہ یہ پورا اخبار اداریے صفحے سمیت مجھے باآواز بلند پڑھ کر سناؤ۔ وہ ہم سے ایک ایک خبر اور کالم سنتے۔ والد صاحب ریڈیو بھی بہت سنتے اور خبروں کے علاوہ زیادہ تر ریڈیو پاکستان پر نظام دین کا پنجابی زبان میں پروگرام سنتے تھے۔ مجھے ابھی تک وہ منظر یاد ہے کہ جب نظام دین کا پنجابی پروگرام شروع ہوتا تھا تو پورے گھر میں مکمل خاموشی ہوتی تھی کیونکہ والد صاحب کا حکم تھا کہ اب پروگرام شروع ہونے لگا ہے اور کوئی شور شرابا نہ کرے۔ یوں پورے گھر میں صرف نظام دین ہی کی آواز سنائی دیتی۔ یہاں میں بتاتا چلوں کہ گزشتہ دنوں معروف شاعر امجد اسلام امجد کو کسی نے خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا کہ جب امجد اسلام امجد کا ''وارث'' ڈرامہ چلتا تو سڑکیں ویران ہوجاتی تھیں تو اس نے لکھا کہ اسی جملے کو یوں کہیں تو زیادہ بہتر ہوگا کہ وارث ڈرامہ چلتا تھا تو گھر آباد ہو جاتے تھے۔ بالکل یہی پوزیشن ہمارے گھر کی ہوتی تھی کہ جب بھی ریڈیو پر تلقین شاہ اور نظام دین کی آواز گونجتی تو سب لوگ گھر میں موجود ہوتے تھے۔

نظام دین سے ملاقات

پھر وہ وقت بھی مجھے یاد ہے کہ جب نظام دین صاحب ننکانہ آئے تو میں ان سے ملنے کے لیے پہنچا اور ان سے مل کر بے حد خوش ہوا۔ اسی طرح جب ہم 1978ء میں سکول میں پڑھتے تھے اور مری میں ہمارے سکول کا ٹرپ گیا تو میں بھی اس میں شامل تھا۔ واپسی پر ہم جس ٹرین میں سفر کر رہے تھے کسی نے بتایا کہ اسی بوگی میں نظام دین صاحب بھی موجود ہیں۔ چنانچہ ہم ان کے پاس پہنچ گئے۔ شروع شروع میں تو انہوں نے ہمیں بچے سمجھ کر کوئی خاص توجہ نہ دی لیکن بعد میں جب ہم نے انہیں ایک لطیفہ سنایا تو وہ ہنس پڑے اور اس کے ساتھ ہی وہ ہمارے ساتھ گھل مل گئے۔ انہوں نے ہم بچوں سے بڑی محبت فرمائی اور ہمارے ساتھ خوب مذاق بھی کیا۔ ٹرین کا پورا ڈبہ ان کی باتوں سے محظوظ ہو رہا تھا۔

والدہ کا اندازِ تربیت

میری والدہ صاحبہ بہت ہی نیک سیرت خاتون تھیں۔ جب میں ساتویں کلاس میں تھا تو والد صاحب ہیپاٹائٹس بیماری کے باعث سروسز ہسپتال لاہور میں وفات پاگئے۔ یوں بہت زیادہ امکان تھا کہ ہم بگڑ جاتے، ہمارے شہر میں سینما گھر بھی تھا اور آوارہ گردی کے دوسرے مواقع بھی موجود تھے۔ لیکن والدہ صاحبہ کا ہم پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

انہوں نے ہم پانچ بھائیوں کو انتہائی مشکل وقت میں سنبھالا اور سنبھالا بھی ایسا کہ سختی اور ڈانٹ ڈپٹ کے بغیر ہماری تربیت کی۔ والد صاحب چونکہ پڑھائی کے معاملے میں بہت زیادہ سختی فرماتے اور ہمارے باہر گھومنے پھرنے پر بھی پوری نظر رکھتے تھے اور مغرب کے بعد تو ہمارا باہر نکلنا بالکل ممنوع قرار پایا تھا۔ والد صاحب بسا اوقات ہماری پٹائی بھی کر دیا کرتے تھے تو ان کی وفات کے بعد ہمیں یوں لگا جیسے ایک دم ہماری زنجیریں ٹوٹ گئیں اور ہم بالکل آزاد ہو گئے۔ ان حالات میں بہت زیادہ خدشہ اس بات کا تھا کہ ہم بگڑ نہ جائیں کیونکہ والدہ کے علاوہ تو اس وقت ہمارا کوئی اور سرپرست نہ تھا جو ہم پر پوری نظر رکھتا، چنانچہ پوری ذمہ داری والدہ پر آپڑی تھی۔ ایک بیوہ جو پانچ بچوں کی ماں ہو اس کے لیے یہ بہت بڑا مسئلہ تھا۔ جس طرح ایک مرغی خطرے کو دیکھ کر اپنے چوزوں کو اپنے پروں کے نیچے چھپا لیتی ہے بس والدہ صاحب نے ہماری اسی طرح سے حفاظت فرمائی اور ہمیں زمانے کے سرد و گرم سے محفوظ رکھا۔ ہاں البتہ ہماری تربیت کے حوالے سے دوسری جس خاتون کا بڑا کردار تھا، وہ ہماری ایک بڑی پھوپھو تھیں۔ میں نے شاید مردوں میں بھی اتنا حوصلہ نہیں دیکھا جتنی باحوصلہ وہ خاتون تھیں۔ انہوں نے بھی ہمیں والد صاحب کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ وہ ہمارے کھانے پینے کا بہت زیادہ خیال کرتیں۔ پھوپھو کی زرعی زمین تھی اور انہوں نے ہر لحاظ سے ہمیں سپورٹ فراہم کی۔ والدہ صاحبہ کی ہم پر سب سے بڑی شفقت یہی رہی کہ پڑھائی کے معاملے میں ہمیں بالکل والد صاحب والی روٹین پر رکھا اور ہمیں اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ اب ہم پانچوں بھائی اپنی اپنی فیلڈ میں ماشاء اللہ فٹ ہیں۔

میں اپنی والدہ کو جو سب سے بڑا خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ انہوں نے شروع دن سے ہمیں کہا کہ بیٹا مجھے بس آپ کی کسی بھی قسم کی اخلاقی لحاظ سے کوئی شکایت نہیں آنی چاہیے۔ ہمارے شہر میں لڑکیوں کو چھیڑنا اور اس حوالے سے لڑائی جھگڑے معمول کی بات تھی۔ ہماری کزن لڑکیاں ہمارے گھر کھیلنے آتیں لیکن کبھی ہمارے تصور میں بھی کبھی کوئی غلط بات نہ آئی۔ یہ صرف اور صرف ہماری والدہ کی تربیت تھی جس کا اثر آج تک موجود ہے۔

آئندہ زندگی میں جب مجھے اللہ تعالیٰ نے تحریک تحفظ ختم نبوت میں حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائی تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب میری والدہ کی دعاؤں ہی کا نتیجہ تھا۔ وہ حیات ہی تھیں جب میں ختم نبوت کے کام سے منسلک ہوا اور گھر کے ڈرائنگ روم ہی میں اپنا دفتر قائم کر لیا۔ اس سلسلے میں گھر میں روزانہ بیس افراد بھی آتے تو والدہ صاحبہ نے مہمان نوازی کے حوالے سے کبھی اُف تک نہ کی اور ان کے لیے چائے کھانے کا انتظام بخوشی کیا کرتی تھیں۔ وہ اپنے لیے اس کام کو ایک سعادت سمجھتی تھیں۔

والدہ صاحبہ بڑی رکھ رکھاؤ والی خاتون تھیں، بڑا سوشل مزاج رکھتی تھیں۔ جب پتا چلتا کہ محلے میں کوئی خاتون بیمار ہے تو وہ نہ صرف خبر گیری کرتیں بلکہ اپنی استطاعت کے مطابق اس کی مدد بھی کر دیا کرتیں۔ اسی طرح اگر کوئی خاتون گھر میں آ جاتی اور والدہ سے اپنی ضرورت بیان کرتی تو ان کی پوری خواہش ہوتی کہ وہ اس کی ضرورت پوری کر دیں۔ اکثر والدہ صاحبہ ہماری ضرورت کا دودھ، لسی یا گھی بھی کسی ضرورت مند کو دے دیا کرتی تھیں اور ہمیں کہا کرتی تھیں کہ پریشان نہیں ہونا'' اللہ کے نام پر

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

دیا ہوا کبھی ضائع نہیں جاتا۔''

میری والدہ کہا کرتی تھیں کہ آپ کسی کو کھانا کھلاتے ہیں تو اللہ آپ کے رزق میں بہت زیادہ اضافہ کرتا ہے۔ میرا آج بھی یہ معمول ہے کہ پانچ وقت کی نماز کے بعد ایک دعا ضرور مانگتا ہوں کہ یا اللہ ایمان کی سلامتی دینا، صحت و تندرستی دینا، رزق حلال وافر مقدار میں عطا کرنا اور مہمانوں کی خدمت کی توفیق دینا اور آنے والی مشکلات سے محفوظ فرمانا۔ یقین مانیے کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی کے ہر موڑ پر ہماری مدد فرمائی۔

ہم سب بھائیوں کا اب بھی یہ مزاج ہے کہ اگر کسی کو تکلیف میں دیکھیں تو ہم سے برداشت نہیں ہوتا ہماری خواہش ہوتی ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق اس کی ضرورت پوری کر دیں۔ جب تک میری والدہ محترمہ حیات تھیں تو مجھے جرأت نہیں تھی کہ میں ننکانہ صاحب چھوڑوں۔ وہ 1993ء میں وفات پا گئیں تو میں نے پھر مستقل طور پر لاہور میں سکونت اختیار کر لی۔ میں نے اپنے تمام بھائیوں سے اجازت لی اور پھر کچھ اپنے محکمہ سے قرض لے کر اور کچھ اپنی بھی سیونگ تھی تو یوں میں نے والٹن کے علاقہ میں اپنا مکان بنا لیا۔

سٹیٹ بینک کی سروس

1982ء میں جب میں راولپنڈی سٹیٹ بینک میں تھا تو اس وقت یہ قانون تھا کہ پورے ملک میں کوئی بھی آدمی جو پاکستان سے باہر جاتا اس کو اپنے متعلقہ سٹیٹ بینک ضرور آنا پڑتا۔ سٹیٹ بینک میں ایک لسٹ 'ای سی ایل' ہوتی تھی جس میں لکھا ہوتا تھا کہ کیا اس آدمی پر بیرون ملک سفر پر پابندی تو نہیں ہے۔ وہ لسٹ چیک کرنے کے بعد سٹیٹ بینک اس آدمی کو کلیئرنس سرٹیفکیٹ جاری کرتا۔ میں ایک دن اپنے سیکشن میں بیٹھا ہوا تھا کہ سامنے سائلین کی قطار لگی ہوئی تھی، مجھے ایک آفس فیلو نے کہا کہ وہ جو سامنے نوجوان کھڑا ہے آپ اس کو جانتے ہیں؟ اس نوجوان نے سادہ سے کپڑے اور پرانا جوتا پہن رکھا تھا۔ لمبا قد اور بہت ہی سادہ سٹائل تھا۔ میں نے کہا میں تو نہیں جانتا کیونکہ میں تو ابھی راولپنڈی میں نیا نیا آیا ہوں۔ ان صاحب نے کہا کہ یہ شیخ رشید ہے جو سٹوڈنٹ لیڈر رہ چکا ہے اور اب اس کا شمار مشہور لیڈروں میں ہوتا ہے۔ میں نے شیخ رشید صاحب کو پہلی مرتبہ اس حالت میں دیکھا۔ اب تو وہ شہرت کی بلندی پر پہنچ گئے ہیں۔

سٹیٹ بینک سروس کے دوران میں اپنا کام بڑی دلچسپی سے کیا کرتا تھا۔ ویسے تو سٹیٹ بینک کی نوکری بڑی بور ہے لیکن اگر آپ کو کام آتا ہو اور آپ محنت کر کے کھانے پر یقین رکھتے ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کے باس کا آپ کے ساتھ رویہ بھی اچھا ہو تو پھر کام میں مزا آتا ہے اور بوریت نہیں ہوتی۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں نے اپنی پوری سروس بڑی دل جمعی کے ساتھ کی اور مجھے جو بھی افسران بالا ملے وہ میرے ساتھ بے حد محبت کرنے والے تھے۔ کیونکہ اگر افسر اچھا ہو تو نوکری اچھی رہتی ہے ورنہ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کی اپنی گھریلو زندگی ڈسٹرب ہوتی ہے اور وہ اپنے ماتحت کو بھی خوش نہیں دیکھ سکتے اور اسے تنگ کرتے ہیں۔ سٹیٹ بینک کی پوری سروس میں دو شخصیات نے مجھے بہت زیادہ محبت دی: ایک چوہدری محمد جاوید صاحب تھے اور دوسرے جاوید اقبال صاحب (چیف منیجر) تھے۔

جب میں نے ریٹائرمنٹ کی درخواست دی

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

تو انہی دنوں پاکستان میں مذہبی کارکنوں کی خوب پکڑ دھکڑ جاری تھی۔ جاوید بٹ صاحب کہنے لگے کہ اگر آپ کو قادیانی لابی اور ختم نبوت کے کام کی وجہ سے کوئی پریشانی ہے اور آپ اس وجہ سے نوکری قبل از وقت چھوڑنا چاہ رہے ہیں تو آپ نہ چھوڑیں، میں ہر لحاظ سے آپ کے ساتھ کھڑا ہوں۔ آپ کو نوکری کا کسی قسم کا نقصان نہیں ہوگا، اگر آپ اپنی خوشی سے جانا چاہ رہے ہیں تو میں آپ کو نہیں روکتا۔ یہ میرے لیے بہت بڑی بات تھی کہ میرا افسر سربراہ مجھے اتنی محبت دے رہا تھا۔ جب میں ریٹائرمنٹ کے بعد عمرہ پر گیا تو میں نے جاوید اقبال بٹ صاحب کو ہر وقت اپنی دعاؤں میں یاد رکھا۔

پولیس کا عجیب جواب

سٹیٹ بینک میں مختلف نوعیت کے کام ہوتے ہیں، آسان بھی اور مشکل بھی۔ میری ڈیوٹی جعلی نوٹوں کے متعلق ''کلیم سیکشن'' میں تھی۔ ہم ایک ایک نوٹ کی اپنے رجسٹر میں انٹری کرتے اور پھر ایک ایک نوٹ پر مہر لگاتے اور اس کے بعد جب تک اس کیس کا فیصلہ نہیں ہو جاتا تھا ہم اس کرنسی کو محفوظ رکھتے تھے۔ یہ کام بڑی ذمہ داری والا تھا۔ اگر کوئی شخص مارکیٹ میں جعلی نوٹ استعمال کرتا ہوا پکڑ لیا جائے تو پولیس ایف آئی آر درج کرنے کے بعد ہمارے پاس آتی ہے۔ پولیس ہم سے سرٹیفکیٹ طلب کرتی ہے کہ آپ بتائیں کہ یہ نوٹ جعلی ہے یا اصلی؟ اگر ہم سرٹیفکیٹ دیتے ہیں کہ یہ نوٹ اصلی ہے تو ظاہر ہے کہ وہ ایف آئی آر وہیں پر ختم ہو جاتی اور اگر ہم اس کے جعلی ہونے کی تصدیق کر دیں تو پھر کیس بھی اسی بنیاد پر آگے چلتا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں ایک بڑا المیہ یہ ہے جس کا مجھے خود تلخ تجربہ ہوا کہ جب پولیس والے میرے پاس بڑے بڑے بنڈلوں میں لاکھوں روپے کی جعلی کرنسی لے کر آتے تو میں ان سے ایک سوال ضرور کرتا تھا کہ ملزم کہاں ہے؟ تو مجھے بڑی حیرانی ہوتی جب وہ یہ جواب دیتے کہ ملزم کی تو ضمانت ہو چکی ہے۔ 95 فی صد کے قریب ایسے واقعات تھے جن میں مجھے پولیس کے تفتیشی افسر کی طرف سے ایک ہی جواب ملتا کہ جی ملزم کی تو ضمانت ہوگئی ہے۔ میں انہیں کہتا کہ بھائی ابھی تو ہم (یعنی سٹیٹ بینک) نے اس کرنسی کے متعلق سرٹیفکیٹ بھی جاری نہیں کیا کہ یہ جعلی ہے یا اصلی ہے تو اس سے پہلے ہی اس ملزم کی ضمانت کیسے ہوگئی جبکہ ابھی ایف آئی آر کو درج ہوئے صرف دو چار دن ہی گزرے ہیں۔

میں ایسے واقعات کے متعلق سوچتا تھا کہ ہمارا عدالتی نظام کیسا ہے کہ اس قدر عجلت میں قومی مفادات کے ساتھ کھیلنے والے ملزموں کو ضمانت پر رہا کر دیتا ہے، کم از کم عدالتوں کو سٹیٹ بینک کے سرٹیفکیٹ کا تو انتظار کرنا چاہیے۔ میں سوچتا تھا کہ پوری دنیا میں یہ قانون رائج ہے کہ جو بھی آدمی جعلی کرنسی تیار کرتا ہے وہ ملک اور قوم کا غدار کہلاتا ہے اور اس کی کوئی ضمانت نہیں، بلکہ بعض ممالک میں تو اس جرم کی سزا موت ہے۔ امریکہ، انگلینڈ، جاپان، سعودی عرب جیسے ملکوں میں جعلی کرنسی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اسے عبرت کا نشان بنا دیا جاتا ہے۔

ایک دن ایک پولیس افسر نے مجھے ایک بڑی عجیب بات کہی کہ یہ جو جعلی کرنسی بناتے ہیں ان کے پیچھے بہت بڑا مافیا ہوتا ہے اور ان کی پشت پر کوئی نہ کوئی بڑا تگڑا سیاست دان ہوتا ہے۔ اس لیے یہ لوگ بڑے طاقت ور ہوتے ہیں۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

سٹیٹ بینک نے پاکستانی کرنسی میں جتنے بھی خفیہ سیکیورٹی فیچرڈ رکھے ہوئے ہیں، مافیا کمال ہوشیاری سے جعلی کرنسی میں یہ فیچرڈ ڈال دیتا ہے۔ ایسے جعلی نوٹ اے ٹی ایم کی مشینوں سے بھی نکل آتے ہیں اور عام بینکوں میں بھی گردش کرتے رہتے ہیں اور انہیں پکڑنا مشکل ہوتا ہے۔ جعلی کرنسی تیار کرنے والے مافیا نے جعلی نوٹوں کی کچھ اس طرح سے کیٹیگریز بنا رکھی ہیں کہ اوّل درجے کے جعلی نوٹ کا حساب یہ ہوتا ہے کہ ایک ہزار روپے کا جعلی نوٹ سات یا آٹھ سو روپے تک فروخت ہوتا ہے۔ اس کے نچلے درجے کا ہزار روپے کا جعلی نوٹ چھ سو روپے میں ملتا ہے اور جو بہت ہی ہلکا جعلی نوٹ ہے وہ تین سو روپے میں ملتا ہے۔

دولہے کے ہار میں جعلی نوٹ

ایک مرتبہ قصور کی پولیس میرے پاس بہت زیادہ تعداد میں دس روپے کے جعلی نوٹ لے کر آئی۔ تفتیشی افسر مجھے بتانے لگا کہ للیانی، مصطفیٰ آباد اور اس کے مضافات میں لوگ زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہیں۔ وہ جب شادیوں کا سامان خریدنے جاتے ہیں اور دولہے کے لیے نوٹوں والا ہار بھی لیتے ہیں تو اس "ہار" میں پانچ سو روپے کا ایک نوٹ اصلی لگا دیا جاتا ہے اور باقی پانچ سو روپے کے نوٹ جعلی لگا دیئے جاتے ہیں۔ دکاندار کہتا ہے کہ دیکھیں کہ اس ہار میں ایک ہزار روپے لگے ہوئے ہیں اور اس میں ہماری محنت بھی شامل ہے تو یہ آپ کو 13 سو روپے میں ملے گا۔ اس طرح یہ دکاندار عام شہریوں کو لوٹتے رہے۔ میں نے اپنی پوری سروس کے دوران میں کوئی ایک بھی ایسا کیس نہیں دیکھا جس میں جعلی کرنسی کے ملزموں کو عبرت کا نشان بنایا گیا ہو۔ میں نے ان ملک دشمن عناصر کو ہمیشہ رہا ہوتے دیکھا ہے۔

جعلی کرنسی کے کیسوں کے سلسلہ میں مجھے پولیس سے اکثر واسطہ پڑتا رہتا تھا۔ ایک دن میں نے ایک تھانیدار سے کہا: میں نے سنا ہے کہ آپ تھانوں میں چوری، ڈکیتی اور دیگر جرائم میں ملوث لوگوں پر انسانیت سوز تشدد کرتے ہیں تو اس میں کیا حقیقت ہے؟ آج کل تو میڈیا اور سوشل میڈیا کا دور ہے اور ہر شخص پولیس تشدد سے بخوبی آگاہ ہے لیکن اس وقت پولیس تشدد کے متعلق صرف اخبارات ہی میں خبریں پڑھنے کو ملا کرتی تھیں اس لیے مجھے تجسس تھا کہ واقعی تشدد ہوتا ہے یا خبریں غلط ہوتی ہیں تو میں نے اس پولیس افسر سے کہا کہ کیا میں یہ تشدد خود دیکھ سکتا ہوں کہ آپ کس طرح لوگوں کو مارتے ہیں؟ میں اس کا جواب سن کر حیران رہ گیا کہ اس نے مجھے دعوت دیتے ہوئے کہا کہ جی کل فلاں وقت پر آپ میرے تھانے میں تشریف لائیں ہم نے ایک ملزم کی پٹائی کرنی ہے۔ آپ خود دیکھ لیں گے کہ ہم ان کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں۔ لیکن میں تشدد کا منظر دیکھنے کے لیے نہ جا سکا کیونکہ میں اس کا متحمل نہ ہو سکتا تھا۔

جب میں سٹیٹ بینک راولپنڈی میں تھا تو اس وقت ہمارا دفتر جی ایچ کیو کے عقب میں واقع تھا۔ اس دور میں فوجی علاقوں میں عام لوگ آتے جاتے رہتے تھے اور زیادہ سیکیورٹی مسائل نہیں تھے۔ ایک دن میں دوپہر کا کھانا کھا کر چائے پینے کے لیے باہر نکلا اور کینٹین پر جانے کے لیے سڑک پار کرنے لگا تو میں نے دیکھا کہ جگہ جگہ فوجی حضرات کھڑے ہیں جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ کوئی وی آئی پی شخصیت آ رہی ہے۔ جب فوجی قافلہ گزرنے لگا تو

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

سب سے آگے تین چار پروٹوکول گاڑیاں گزر گئیں اور اس کے بعد ایک گاڑی گزری تو اس کا شیشہ نیچے ہوا اور وہ آہستہ آہستہ میرے قریب آنے لگی تو میں پیچھے ہونے لگا۔ اس کے بعد گاڑی رک گئی اور شیشہ کھلا تو جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے مجھے ہاتھ اٹھا کر سلام کیا، اس کے بعد وہ چلے گئے۔ میں اس پر بہت ہی حیران ہوا۔ یہ میری زندگی کا ایک حسین لمحہ تھا۔ میں ایک عام شہری تھا اور میری تو کوئی خاص اہمیت نہیں تھی۔ میں بھٹو صاحب کے بعد تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں جنرل ضیاء الحق سے بھی بہت محبت کرتا ہوں کیونکہ ان کے دورِ اقتدار میں (1984ء میں) قادیانیوں کے خلاف تاریخ ساز ''امتناع قادیانیت آرڈی نینس'' پاس ہوا۔

اس طرح کا ایک اور واقعہ یاد آرہا ہے کہ ایک مرتبہ میں منصورہ مسجد میں نماز پڑھ کر باہر آیا اور مولانا عبدالمالک صاحب کے ساتھ باہر کھڑا باتیں کر رہا تھا کہ اسی دوران مسجد سے قاضی حسین احمد صاحب نکلے اور سیدھا ہمارے پاس آئے۔ مجھ سے بغل گیر ہوئے اور حال احوال پوچھ کر چلے گئے۔ وہ اس انداز سے ملے جیسے وہ صرف مجھ ہی سے ملنے آئے ہوں جبکہ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ مولانا عبدالمالک صاحب سے ملنے آئے ہیں۔ مولانا عبدالمالک نے کہا کہ قاضی صاحب صرف آپ ہی سے ملنے آئے تھے۔ یہ دراصل بڑے لوگوں کی نشانیاں ہوتی ہیں کہ ان میں غرور اور تکبر نہیں ہوتا اور عاجزی وانکسار ان کا سرمایہ ہوتا ہے۔

جس وقت جنرل حمید گل صاحب آئی ایس آئی میں تھے تو ایک صاحب سے میں نے ان کا فون نمبر لے کر بات کی اور کہا کہ میری کتاب ''ثبوت حاضر ہے'' پر آپ نے دیباچہ لکھنا ہے تو وہ کہنے لگے کہ جی میں ضرور لکھوں گا، چنانچہ انہوں نے پھر دیباچہ لکھا۔ یہ میرا ان سے پہلا رابطہ تھا۔ اس کے بعد ایک مرتبہ شاہدرہ سے آگے ایک محلے میں ختم نبوت کانفرنس تھی تو میں نے احباب کے اصرار پر جنرل حمید گل صاحب کو دعوت دے دی لیکن بعد میں احساس ہوا کہ مجھے ان کو تکلیف نہیں دینی چاہیے تھی کیونکہ وہ بہت پسماندہ محلہ تھا۔ سڑکیں اور گلیاں ٹوٹی پھوٹی تھیں اور جلسے کا کوئی خاص انتظام بھی نہ تھا۔ رات کا اندھیرا تھا اور گلیوں میں لائٹوں کا بھی بندوبست نہ تھا لیکن جنرل صاحب بالکل وقت پر پہنچے اور جو بھی روکھا سوکھا کھانا تھا کھایا، تقریر کی اور چلے گئے۔ انہوں نے اس پر ذرا بھی خفگی کا اظہار نہ کیا کہ یہ آپ نے مجھے کہاں پر بلا لیا ہے۔ میں نے ان سے معذرت چاہی تو کہنے لگے کوئی بات نہیں میں تو ختم نبوت کے سلسلے میں یہاں آیا ہوں۔ بس یہی چیزیں ہوتی ہیں جو کسی انسان کی اصل شخصیت کو آشکار کرتی ہیں اور لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت بیٹھ جاتی ہے۔

دینی راہنماؤں سے ملاقاتیں

مولانا شاہ احمد نورانی اور مولانا عبدالستار خان نیازی صاحب کے ساتھ بھی میرا بہت تعلق رہا۔ یہ حضرات مجھ سے خصوصی محبت فرماتے۔ مولانا نیازی جب کرشن نگر (لاہور) میں رہائش پذیر تھے تو ہم اکثر ان کے پاس چلے جاتے اور گھنٹوں باتیں ہوتیں۔ معروف ادیب طالب ہاشمی کے ساتھ میری بہت زیادہ نیاز مندی رہی۔ ہاشمی صاحب نے کمال کی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ بڑے زبردست انسان تھے۔ صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ پر انہوں نے بہت کام کیا۔ چلتا پھرتا ایک انسائیکلوپیڈیا تھے۔ بڑے سادہ مزاج انسان تھے۔ معروف دانش ور ڈاکٹر محمود احمد

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

غازی کے ساتھ بہت ہی قریبی تعلق رہا، ان کے میں نے بہت سے خطبات بھی سنے۔ مجھے غازی صاحب نے ایک زبردست آئیڈیا دیا تھا کہ آپ سابق قادیانیوں سے مل کر ان کے انٹرویوز اور حالات قلم بند کریں، چنانچہ میں نے یہ کام کیا اور یہ کتاب بہت مقبول ہوئی۔ محمود احمد غازی صاحب نے انہی دنوں مجھے معروف صحافی زیڈ اے سلہری مرحوم کے پاس بھی بھیجا۔ سلہری صاحب کہنے لگے کہ میں تو اپنی یہ مکمل داستان اپنی یادداشتوں میں لکھ چکا ہوں۔ اسی مہم کے سلسلے میں مَیں شفیق مرز اصاحب سے بھی ملا۔ میری اس کتاب کا نام ''قادیانیت سے اسلام تک'' ہے اور اس میں 37 سابق قادیانیوں کے حالات ہیں۔

مولانا عبدالمالک، ڈاکٹر طاہر القادری اور مولانا اللہ وسایا کے ساتھ تو اب بھی بہت اچھا تعلق ہے۔ معروف صوفی بزرگ خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ سے میری بہت ہی عقیدت رہی۔ وہ مجھ پر بہت ہی شفقت فرماتے۔ حضرت جی بہت ہی کم بولتے تھے۔ جب بھی مرکز سراجیہ لاہور تشریف لاتے تو میں ضرور حاضر ہوتا۔ ایک بزرگ عالم دین مولانا ابوالحسنات قادریؒ بھی تھے۔ یہ بھی بڑے مجاہد انسان تھے۔ میں جب ان سے ملا تو بہت زیادہ ضعیف ہو چکے تھے۔ 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں انہیں پھانسی کی سزا ہوئی تھی۔ ایک مرتبہ ہم نے تحریک ختم نبوت میں جیلیں کاٹنے والے اکابر کے اعزاز میں ایک پروگرام کا انعقاد کیا تو قادری صاحب کو بھی بلایا۔ اس موقع پر انہوں نے 1953ء میں جو جیل کاٹی تھی اس کے کچھ ایمان افروز واقعات سنائے تھے۔ فرمانے لگے کہ مجھے دو دن تک بھوکا رکھا گیا اور شدید اذیت دی گئی۔ ایک رات میں بھوک سے نڈھال ہو کر بیٹھ گیا اور شدید ذہنی کرب میں مبتلا تھا کہ اسی دوران مجھے ایک آواز آئی۔ میں نے دیکھا تو ایک نورانی صورت والے بزرگ میری بیرک میں موجود ہیں۔ وہ مجھے پیار سے سینے سے لگاتے ہیں اور پھر مجھے دو تھیلے دیتے ہیں کہ یہ رکھ لو۔ اس کے ساتھ ہی وہ بزرگ چلے جاتے ہیں۔ جب میں نے تھیلے کھولے تو ان میں تازہ فروٹ اور دیگر میوہ جات موجود تھے۔ میں نے ایسا فروٹ زندگی بھر کبھی نہیں کھایا۔

ایک شیعہ عالم عین غین کراروی بھی ختم نبوت کے جلسوں میں بڑے جوش و جذبے کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ وہ دبلے پتلے آدمی تھے، عینک لگاتے اور لکھنوی لہجے میں اردو بولتے تھے۔ بہت ہی ملنسار انسان تھے اور حقیقی معنوں میں اتحاد امت کے داعی۔ یہ تمام صحابہ کرامؓ، اہل بیتؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سمیت دیگر ازواج مطہرات کا ذکر بڑی عقیدت سے کیا کرتے۔ ختم نبوت کے محاذ پر کام کرنے والے ایک اور صاحب کا بھی بہت اہم کردار ہے اور وہ ہیں سابق چیف جسٹس ہائی کورٹ، جسٹس ریٹائرڈ میاں محبوب احمد (وہ آج کل نظریہ پاکستان ٹرسٹ کے چیئرمین ہیں)۔ حفیظ تائب، مجید نظامی، نعیم صدیقی، امین گیلانی، معروف قلم کار وقار انبالوی، صاحبزادہ خورشید گیلانی اور میاں عبد الرشید (نور بصیرت/نوائے وقت) کے ساتھ میری بہت اچھی دوستی رہی۔ ایک صاحب حافظ نذر محمد تھے جنہوں نے ردعیسائیت پر بہت کام کیا۔ یہ گڑھی شاہو میں رہتے تھے۔ ان کے ساتھ بہت اچھا وقت گزرا۔ بڑے نفیس اور نیک انسان تھے۔

ایم ایم عالم سے ایک ملاقات

جنگ ستمبر کے ہیرو ایئر کموڈور ایم ایم عالم کے

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

ساتھ میری ایک یادگار ملاقات فیصل آباد میں ہوئی تھی۔ مولانا تاج محمودؒ کے بیٹے صاحبزادہ طارق محمود بہت ہی ادبی ذوق رکھتے تھے۔ ان کی دو کتابیں ''خطبات'' اور ''قادیانیت کا سیاسی تجزیہ'' بڑی یادگار شئے ہیں۔ ایک مرتبہ ان کے والد مولانا تاج محمودؒ کی برسی کے موقع پر میں فیصل آباد گیا تو ایم ایم عالم سے وہیں ملاقات ہوئی، بڑے فقیر مزاج اور نیک انسان تھے۔ انہوں نے سوویت یونین کے خلاف جنگ میں بھی بھرپور حصہ لیا تھا۔ ان پر یادِالٰہی کا بہت ہی زیادہ غلبہ طاری رہتا۔ جب قرآن پڑھتے تو بچوں کی طرح رونا شروع کر دیتے، جہادی آیات کی تلاوت بڑے جذبے سے کیا کرتے۔ انہوں نے مجھے 1965ء کی سٹوری سناتے ہوئے کہا کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق تھی کہ میں نے ایک نشانے سے پانچ انڈین فائٹر طیارے مار گرائے۔ اس میں میرا اپنا کوئی کمال نہیں۔ وہ پھر جس کسمپرسی میں فوت ہوئے وہ بھی اپنی جگہ ایک تلخ حقیقت ہے۔

شفیق مرزا

دوستوں کا ذکر کرنے لگا ہوں تو شفیق مرزا یاد آ گئے۔ یہ سینئر صحافی اور معروف شخصیت تھے۔ وہ قادیانیت سے تائب ہو کر مسلمان ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک کتاب ''شہر سدوم'' بھی لکھی۔ یہ قابلِ مطالعہ کتاب ہے۔ شفیق مرزا روزنامہ جنگ کے اداریہ نگار تھے۔

ذوقِ شعر

جہاں تک شاعری کا تعلق ہے تو میں سب سے زیادہ حفیظ تائب مرحوم سے متاثر ہوں۔ مجھے شاعری وہی پسند ہے جو نعت رسول اللہ ﷺ پر مبنی ہو۔ ''ہم کو درکار ہے روشنی یا نبیؐ''۔ ان کے یہ نعتیہ اشعار اکثر پڑھتا رہتا ہوں۔ یہ دراصل ایک نوحہ ہے۔ حفیظ تائب نے جس طرح نبی رحمت کی بارگاہ میں امت مسلمہ کا نوحہ پیش کیا ہے وہ انسان کو تڑپا دیتا ہے۔ اعظم چشتی مرحوم بھی میرے پسندیدہ شاعر اور نعت خوان تھے۔ ان کے ساتھ بھی میرا تعلق خوب رہا۔ اگر دوسری شاعری کی بات کی جائے تو مجھے شاعرِ مشرق حضرت علامہ اقبالؒ بہت پسند ہیں۔ ان کی ''بالِ جبریل'' اور ''ارمغانِ حجاز'' کے مطالعہ سے قاری میں ایک انقلابی روح بیدار ہوتی ہے۔ اقبالؒ کا یہ شعر جو بانگِ درا میں ہے، یہ مجھے بہت تڑپاتا ہے:

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

مزاحیہ شاعری کی بات کی جائے تو مجھے خالد مسعود اور انور مسعود کی شاعری پسند ہے۔

1975ء میں میں نے اپنی محلے کی مسجد میں ایک تقریری مقابلہ کروایا جس کا عنوان تھا ''سیرت النبیؐ''۔ اس میں جہاں ہم نے لوگوں کو گفٹ دیے وہاں جو میں اپنے لیے ایک کتاب خرید کر لایا تھا اس کا نام تھا ''سیرت رسول عربیؐ''۔ یہ پروفیسر نور بخش توکلی صاحب کی تصنیف ہے۔ نصابی کتابوں کے علاوہ یہ میری زندگی کی پہلی کتاب تھی جس نے مجھے بہت زیادہ انسپائر کیا۔ ہمارے ننکانہ صاحب کے بلدیہ کے دفتر میں ایک چھوٹی سی لائبریری تھی (اب تو بدقسمتی سے لائبریریوں کا کلچر دم توڑ رہا ہے)۔ اس دور میں تحصیل کی سطح پر کارپوریشن یا جو بلدیہ کا دفتر ہوتا تھا اس میں ایک لائبریری ضرور ہوا کرتی تھی۔ اس لائبریری میں اخبار بھی آتے تھے۔ میں اس لائبریری میں باقاعدہ جاتا اور وہاں پر انسائیکلوپیڈیا

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

دیکھتا رہتا، اسی طرح میں نے جو سب سے پہلا ناول پڑھا وہ نسیم حجازی کا ''آخری چٹان'' تھا، یہ کمال کا ناول ہے۔

ناول خوانی

بلدیہ کی اس لائبریری نے میرے شوقِ مطالعہ کو بہت زیادہ مہمیز دی۔ میں نے میٹرک، ایف اے کے دور میں بہت سے ناول پڑھ ڈالے جن میں ایک عنایت اللہ مرحوم کا ناول ''داستان ایمان فروشوں کی'' بھی شامل ہے۔ پھر یوں ہوا کہ میرا دل ناولوں سے جلد ہی اچاٹ ہوگیا کیونکہ میں سوچتا تھا کہ بھاری بھرکم ناول پڑھنے کے بعد بھی مستند معلومات کے حوالے سے انسان کے پلے کچھ نہیں پڑتا اور بہت کم ایسے ناول ہوتے ہیں جن میں معلومات بھی قاری کو ملتی ہوں۔ مثلاً عنایت اللہ نے اپنے طویل ناول ''داستان ایمان فروشوں کی'' میں بہت زیادہ مصالحہ ڈال دیا۔ انہوں نے اس دور میں یہ مصالحہ ڈالا جب ہمارے لیے یہ چیزیں بڑی ہی حیران کن تھیں کیونکہ وہ پرانا دور تھا اور اس قسم کا لٹریچر بچوں پر بہت برا اثر ڈالتا تھا۔ اس ناول میں انہوں نے سیکس کو بہت زیادہ بیان کیا ہے۔ اس لحاظ سے میں نسیم حجازی کے ناولوں کو بہت زیادہ ترجیح دیتا تھا کیونکہ وہ بہت ہی صاف ستھرا لکھتے تھے اور کوئی ایک جملہ بھی ایسا نہیں ہوتا تھا جو بچوں کے ذہن پر منفی اثر ڈالتا ہو۔

میں نے نسیم حجازی کے قیصر و کسریٰ، خاک اور خون، شاہین اور تلوار ٹوٹ گئی ناول پڑھے لیکن ''آخری چٹان'' نے مجھے بہت متاثر کیا۔ بہر حال میں جلد ہی اس نتیجے پر پہنچا کہ ناول پڑھنا سراسر وقت کا ضیاع ہے۔ اسی طرح افسانوں کی بھی یہی صورتحال ہے کہ میں نے کچھ ہی افسانے پڑھنے کے بعد اس ''صنف ادب'' کو بھی خیر باد کہہ دیا کیونکہ میں تو صرف اپنی معلومات کا دائرہ وسیع کرنے کی خاطر کتابیں پڑھنا چاہتا تھا، یوں جلد ہی میں نے دوسری کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا کیونکہ لکھنے اور کہیں ڈسکس کرنے کے لیے آپ کے پاس بہت زیادہ معلومات کا ذخیرہ ہونا چاہیے جبکہ ناول اور افسانے تو یہ کمی نہیں پوری کر سکتے۔ پھر میں نے بڑی مدت کے بعد عمیرہ احمد کا ناول ''پیر کامل'' پڑھا جو مجھے بہت پسند آیا۔ اس ناول میں ایک قادیانی کی سٹوری ہے جو مصنفہ نے بڑی خوبصورتی سے بیان کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ نوجوانوں کو یہ پڑھنا چاہیے۔ میرے مطالعہ کے شوق کو مزید مہمیز دینے میں حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحبؒ کے مضامین کا بھی بہت زیادہ عمل دخل ہے۔ انہی دنوں مجھے ماموں جان کی وساطت سے پیر صاحب کی تصنیف ''سنت خیر الانام'' میسر آئی۔ یہ فتنۂ انکارِ سنت کے موضوع پر بڑی شاہکار کتاب ہے۔

پیر کرم شاہ الازہریؒ اور ماہنامہ ''ضیائے حرم''

پہلے پہل تو میں کتابیں لائبریری سے لاتا تھا اس کے بعد میں نے کتابیں خریدنا شروع کر دیں۔ اسی دور میں میرے بڑے ماموں خالد نسیم چشتی جو حضرت قبلہ پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری رحمہ اللہ (بھیرہ شریف) سے بیعت تھے اور انہوں نے ہمیں بھی ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کروایا۔ حضرت پیر صاحبؒ کے ساتھ پھر بہت ہی زیادہ تعلق قائم ہوا اور وہ مجھ سے خصوصی شفقت کے ساتھ پیش آتے۔

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

میں ابھی میٹرک ہی میں پڑھتا تھا کہ میرے ماموں جان کے پاس پیر کرم شاہ صاحب کے رسالہ ماہنامہ 'ضیائے حرم' کی ایجنسی تھی۔ اس رسالے میں پیر صاحب کا مستقل اداریہ 'سر دلبراں' کے عنوان سے شائع ہوتا تھا جو میں مستقل پڑھتا۔ آج بھی اگر آپ 'ضیائے حرم' کے پرانے شمارے دیکھیں تو آپ حیران ہو جائیں گے کہ پیر صاحب کا قلم کس قدر متاثر کن تھا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں لکھنے کا کیا کمال ملکہ عطا فرمایا تھا۔ اتنی خوبصورت علمی و ادبی تحریر کہ جسے میں بیان نہیں کر سکتا۔ اس میں آغا شورش کاشمیری اور ابوالکلام آزاد کے طرزِ تحریر کی جھلک نظر آتی تھی۔ پیر صاحب کا مضمون 'سر دلبراں' پڑھتے ہوئے قاری کو سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی خطابت کے زمزمے بہتے محسوس ہوتے ہیں۔ پیر صاحبؒ کا یہ اداریہ بہت مقبول تھا، اس میں وہ مختلف سیاسی و مذہبی حالات کی پیش گوئی کرتے اور حالات کا بڑی خوبصورتی کے ساتھ تجزیہ کرتے تھے۔ یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ پیر صاحب اپنے اداریوں میں حالات کے متعلق جو بھی پیش گوئی فرماتے تھے وہ تقریباً پوری ہوتی تھی۔ انہوں نے 1974ء کی تحریک ختم نبوت میں جو تاریخ ساز اداریے لکھے وہ بڑے کمال کی چیز ہیں۔ اسی طرح اگر آپ پیر صاحب کی تفسیر قرآن 'ضیاء القرآن' دیکھیں تو قاری ان کے قلم سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پھر جب میں تقریروں کی طرف آیا اور پیر صاحب کے مضامین سے خط کشیدہ جملے استعمال کرتا تو بہت لطف آتا۔ یہ تفسیر ایک ادبی شہ پارہ ہے۔

شوگر پر کتاب

یہاں ایک اور دلچسپ بات بتاتا چلوں کہ دو سال قبل (2017ء میں) میری ایک کتاب شوگر کے موضوع پر شائع ہوئی۔ چونکہ میں خود شوگر کا مریض ہوں تو میں نے ضروری سمجھا کہ اس موضوع پر مستند تحریریں اکٹھی کر کے شائع کی جائیں۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ میں نے آج سے کوئی 35 سال پہلے 'ضیائے حرم' کے ایک مضمون میں چینی کے بارے میں ایک مضمون ''میٹھا زہر'' پڑھا تھا۔ میرے اندر خواہش پیدا ہوئی کہ میں اس مضمون کو اس کتاب میں شامل کروں چنانچہ میں پنجاب پبلک لائبریری گیا اور وہاں سے 'ضیائے حرم' کی پرانی فائلیں نکلوائیں، وہ مضمون تلاش کر کے اپنی کتاب میں شامل کیا۔ (میری معلومات کے مطابق یہ پہلا ایسا مضمون تھا جس میں لکھا گیا تھا کہ چینی ایک میٹھا زہر ہے اور اس سے بچنا چاہیے)۔ اس مضمون میں لکھا تھا کہ 100 من چینی کا رنگ سفید کرنے کے لیے ایک من یوریا کھاد استعمال کی جاتی ہے۔ کیونکہ چینی گنے (شوگر کین) سے بنتی ہے اور اس کا اپنا رنگ تو سفید نہیں ہوتا تو اسے یوریا کھاد کے ذریعے سفید کیا جاتا ہے۔ اب اس میٹھے زہر کے متعلق آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ کس قدر خطرناک ہے!

آپ اچھا تبھی لکھ سکتے ہیں جب آپ کے پاس مستند مطالعہ ہو اور آپ کے پاس وافر معلومات ہوں۔ یہ چیز شروع ہی سے میرے ذہن میں بیٹھ گئی تھی اور اسی لیے میں ناولوں اور افسانوں سے بدک گیا تھا۔ میں سکول کے تقریری اور مضمون نویسی کے مقابلوں میں خوب حصہ لیتا تھا۔ بعد میں جب میں کالج اور یونیورسٹی میں پہنچا تو یہ شوق مزید بڑھ گیا۔ مجھے جب بھی ان مقابلوں میں کتابیں تحفے اور انعام کے طور پر ملتیں تو میں بہت زیادہ خوش ہوتا۔ میرا یہ کتابیں جمع کرنے اور انہیں پڑھنے کا شوق اس قدر

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

بڑھا کہ اب میرے پاس کتابوں کا ایک وسیع ذخیرہ موجود ہے۔

میری اہلیہ کی ''سوکنیں''

میرے کتابیں جمع کرنے کے شوق کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ہمارے ہاں شادی کے موقع پر لوگ دولہا اور دلہن کو سلامی دیتے ہیں اور ایک لفافے میں کچھ رقم بند کر کے انہیں پیش کرتے ہیں لیکن 1989ء میں میری شادی ہوئی تو مجھے سلامیوں میں نقد رقم بہت کم ملی اور زیادہ کتابیں ہی ملیں کیونکہ دوستوں کو معلوم تھا کہ اسے کتابوں کا بے حد شوق ہے۔ میرے جو رشتہ دار تھے انہوں نے تو مجھے پیسوں کی صورت میں سلامی دی لیکن میرے جو ختم نبوت کے حوالے سے یا دیگر لٹریری ذوق کے احباب تھے ان کی طرف سے مجھے زیادہ تر کتابیں ہی ملیں۔ نعیم صدیقی صاحب کی سیرت کی کتاب محسنِ انسانیتؐ، ضیاء القرآن، معارف القرآن کے مکمل سیٹ سلامی کے طور پر ملے جو ابھی تک میرے پاس محفوظ ہیں۔ یہاں ایک اور دلچسپ بات یاد آ گئی کہ سہاگ رات کو سارے گفٹ میرے کمرے میں پہنچا دیے گئے تو میں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ میں ذرا اپنے گفٹ چیک کر لوں، جب میں نے اپنے تحفے جو خوبصورت پیکٹوں میں بند تھے کھولنا شروع کیے تو ہر طرف کتابیں ہی کتابیں نکلنے لگیں۔ میری اہلیہ پوچھنے لگیں کہ یہ کیا ہے؟ میں نے انہیں مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ یہ آپ کی ''سوکنیں'' ہیں۔ ان کو بھی مجھے بہت وقت دینا ہے۔

عبدالقادر حسن سے یادگار ملاقات

یہاں ایک دلچسپ واقعہ یاد آ رہا ہے۔ میری کتاب کا عنوان ہے ''ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی۔ غدارِ پاکستان''۔ یہ 1998ء میں چھپی اور بہت مقبول ہوئی۔ میں اس کتاب کا دیباچہ لکھوانے کے لیے معروف کالم نگار عبدالقادر حسن کے پاس گیا، یہ اس وقت گلبرگ میں رہتے تھے۔ سچی بات یہ ہے کہ انہوں نے پہلے پہل تو مجھے کوئی اہمیت نہ دی اور دیباچہ لکھنے میں کوئی دلچسپی نہ لی۔ مجھے ان کی باڈی لینگوئج سے معلوم ہوا کہ وہ تھوڑا سا ٹال مٹول کر رہے ہیں۔ میں نے ان کا موڈ آف دیکھا تو انہیں کہا کہ میری ایک بات سن لیں اس کے بعد فیصلہ کیجیے گا کہ میں آپ کے پاس کیوں آیا تو انہوں نے کہا بتاؤ کیا بات ہے۔ میں نے کہا کہ کیا سہاگ رات کو انسان کو کوئی ہوش ہوتا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ اس وقت تو واقعی کوئی ہوش ہی نہیں ہوتا اور اسے یہی فکر ہوتی ہے کہ میں بس اپنی شریک حیات کے ساتھ نئی زندگی کے سفر کے متعلق بہت سی باتیں کروں۔ میں نے انہیں کہا کہ جب مجھے شادی کے تحفوں میں بہت سی کتابیں ملیں تو ان میں ایک آپ کی کتاب ''غیر سیاسی باتیں'' بھی تھی جو آپ کے کالموں کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب مجھے سینئر صحافی صابر شاکر جو آج کل اے آر وائی نیوز چینل میں ہوتے ہیں انہوں نے گفٹ کی تھی۔ میں نے ساری کتابیں کھول کھول کر رکھ دیں لیکن آپ کی واحد کتاب تھی جو میں نے اپنے ہاتھ میں لی اور اس کے دو مکمل صفحے پڑھ ڈالے۔

اس پر عبدالقادر حسن مجھے کہنے لگے کہ آپ مجھے ''مکھن'' نہ لگائیں اور اتنی لمبی لمبی نہ چھوڑیں۔ میں ویسے ہی آپ کی کتاب کا دیباچہ لکھ دیتا ہوں۔ میں نے کہا آپ لکھیں یا نہ لکھیں لیکن میری بات سن لیں کہ میں آپ کو کس قدر شوق سے پڑھتا ہوں۔ اس پر انہوں نے ایک سوال داغ دیا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ آپ نے اس دن کیا پڑھا تھا؟ میں نے کہا آپ نے ملکہ

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

ترنم نور جہاں کا انٹرویو کیا تھا اور آپ نے اسی کے متعلق کالم لکھا تھا۔ آپ نے اس کالم میں لکھا تھا کہ میڈم آپ یہ بتائیں کہ آپ نے آج تک کتنے گانے گائے؟ تو میڈم نے آپ کو کیا جواب دیا وہ آپ کے اپنے کالم اور کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ میڈم نے کہا کہ قادر بھائی! ''گانوں اور گناہوں کا کوئی حساب نہیں ہوا کرتا''۔

میرا یہ جواب سننا تھا کہ عبد القادر حسن اپنی نشست سے اچھل پڑے اور اس قدر زیادہ خوش ہوئے کہ انہوں نے اسی وقت اپنی بیگم رفعت صاحبہ کو بلایا اور کہا کہ ادھر آؤ اور دیکھو کہ ہمارے چاہنے والے کس طرح کے ہیں۔ یہ دیکھو ان صاحب نے سہاگ رات کو میری کتاب پڑھی اور مجھے اقتباس بھی سنا ڈالا۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے بڑی پر تکلف چائے پلائی اور پھر انہوں نے میری کتاب پر بہت خوبصورت دیباچہ بھی لکھا۔ اس کے بعد سے پھر عبد القادر حسن صاحب سے بہت زیادہ تعلق قائم ہو گیا۔

ہمارے ایک عزیز حکیم نور محمد چوہان تھے جو داتا دربارؒ کے قریب پیر مکی کے قریب رہتے تھے۔ وہ ایک مزاحیہ رسالہ ''قہقہہ'' نکالتے تھے۔ میں اس میں بھی اپنی ہلکی پھلکی تحریریں بھیجا کرتا۔ ایک زمانے میں مَیں نے ایک مزاحیہ تحریر ''لوٹا'' کے عنوان سے بھیجی جو شائع ہوئی اور مجھے بہت حوصلہ افزائی ملی۔ دیکھیں کہ یہ بظاہر تو آج ایک معمولی سی بات محسوس ہوتی ہے لیکن درحقیقت انسان کی بنیادوں میں یہی چیز ہوتی ہے جو اسے آگے لے کر جاتی ہے اور میں جو آج الحمدللہ ایک سو کے قریب کتابیں اور کتابچے تصنیف و تالیف کر چکا ہوں تو میری بنیادوں میں یہی چھوٹی چھوٹی تحریروں کا ذوق تھا۔ پھر جب میں سنجیدہ اور تحقیقی مضامین کی طرف آیا تو میں نے اپنے مطالعہ کو بھی بہت بڑھایا۔ جس وقت میں ایم اے اسلامیات کر رہا تھا تو میں نے ایک تحریر ''مباہلہ'' کے عنوان سے لکھی تھی۔ یہ مضمون بعد میں مَیں نے اپنی کتاب ''عیسائیت کے تعاقب میں'' میں شامل کیا۔ یہ مضمون مَیں نے بڑی تحقیق کے بعد علمی انداز میں لکھا۔ بعد میں جب میں تحفظ ختم نبوت اور ردِ مرزائیت کے محاذ پر آیا تو پھر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا ایک بہت ہی معیاری اور مقبول رسالہ ہے ماہنامہ ''لولاک'' اس میں باقاعدہ لکھنا شروع کیا۔ لولاک پہلے فیصل آباد سے شائع ہوتا تھا اور بعد میں ملتان سے شائع ہونا شروع ہوا۔ اسی طرح عوامی سطح پر ایک بہت ہی مقبول ہفت روزہ 'ختم نبوت' کراچی ہے، اس میں بھی میں نے مستقل لکھنا شروع کیا۔

تحریک ختم نبوت کے محاذ پر

بعض دوست پوچھتے ہیں کہ میں تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر کب آیا۔ یوں تو میں اس وقت ہی ختم نبوت کے محاذ پر سرگرم ہو گیا تھا جب 1974ء میں تحریک ختم نبوت چلی اس وقت میری عمر صرف 14 برس تھی لیکن میں نے تحریک ختم نبوت کے جلوسوں میں شرکت کی تھی۔ بس وہ دن اور آج کا دن ہے کہ میں الحمدللہ اسی مشن پر لگا ہوا ہوں اور اپنی شفاعت اسی میں سمجھتا ہوں۔ میں نے اپنے اللہ سے عہد کر رکھا ہے کہ مجھے ہر قسم کے مسلکی تعصب سے محفوظ فرمائے اور مجھ سے صرف تحفظ ختم نبوت کے لیے کام لے۔

1984ء کا واقعہ ہے کہ ایک دن میں لاہور سے ننکانہ صاحب جانے کے لیے گاڑی پر سوار ہوا تو مجھے کسی صاحب نے ایک چار صفحاتی پمفلٹ دیا جو قادیانیوں کے عقائد کے متعلق تھا۔ میں نے ابھی

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

تک قادیانیوں کے لٹریچر کا براہ راست مطالعہ نہیں کیا تھا اور مجھے بس اتنا ہی معلوم تھا کہ قادیانی ختم نبوت کے منکر ہیں اور وہ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں، مجھے ان کے عقائد اور عزائم کا گہرائی کے ساتھ علم نہیں تھا۔ میں نے یہ کتابچہ پڑھنا شروع کیا تو اس میں مرزا قادیانی اور ان کے پیروکاروں کی جانب سے انبیاء کرام، امہات المومنینؓ، اہل بیتؓ، صحابہؓ اور اولیاء اللہ کی صریح توہین کی گئی تھی۔ مکہ اور مدینہ اور قرآن کی بھی توہین کی گئی تھی۔ ایک جگہ پر پہنچ کر تو میں ششدر ہی رہ گیا جب میں نے خاتون جنت، سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ کی شان میں بہت زیادہ توہین دیکھی۔ ان کے متعلق ایسے توہین آمیز جملے تھے کہ میں رُک گیا اور حالت غیر ہوگئی اور میری آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ اس زمانے میں لاہور سے ننکانہ تک ڈھائی گھنٹے کا سفر ہوتا تھا لیکن میں اس قدر سوچوں میں گم تھا کہ مجھے کچھ پتہ نہیں چلا کہ کب ننکانہ آیا اور گاڑی رک گئی۔ اس کتابچے نے مجھ پر بہت گہرا اثر کیا تھا۔ میں رات بھر سوچتا رہا کہ ایسا کون بدبخت ہے جس کو سیدۃ النساءؓ کے ساتھ اس قدر دشمنی ہے کہ وہ اس حد تک بکواس کرتا ہے۔ یہ تو کھلم کھلا توہین ہے ایسا تو نہیں ہونا چاہیے۔ اس کتابچے میں مرزا قادیانی کی جس کتاب کا حوالہ دیا گیا اس کا نام تھا ''ایک غلطی کا ازالہ''۔

اگلی صبح فجر کی نماز کے بعد میں نے اپنی مسجد کے مولانا سے پوچھا کہ قادیانیوں کے متعلق مجھے تفصیل سے بتائیے کہ یہ کون ہوتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے ان کے متعلق کچھ علم نہیں، بس علماء سے یہ سنا ہے کہ ختم نبوت کے منکر ہیں۔ پھر میں شہر میں کئی لوگوں سے ملا اور ان سے پوچھا تو انہوں نے بھی مرزا قادیانی کے متعلق اظہار لاعلمی کیا۔ میں لوگوں سے یہ بھی پوچھتا رہا کہ کیا قادیانیوں کے خلاف پاکستان میں کوئی ایسا ادارہ یا دفتر کام کر رہا ہے جہاں پر جا کر مزید معلومات حاصل کی جاسکیں کیونکہ اس وقت معلومات تک رسائی بہت مشکل تھی۔ آج کل تو تقریباً ہر قسم کی اہم معلومات ہمیں انٹرنیٹ پر صرف ایک کلک سے مل جاتی ہے لیکن اس وقت ایسا نہیں تھا۔

مجھے ایک صاحب نے بتایا کہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا دفتر حضوری باغ روڈ ملتان میں واقع ہے اور یہ جماعت قادیانیوں کے خلاف باقاعدہ ایک تحریک کی صورت میں کام کر رہی ہے۔ اس دفتر سے آپ کو کتابیں، پمفلٹس اور راہنمائی مل سکتی ہے۔ اس کے بعد میں نے ایک تفصیلی خط مولانا اللہ وسایا صاحب کو لکھ کر ملتان دفتر کے پتہ پر پوسٹ کر دیا۔ کچھ ہی دن کے بعد مولانا اللہ وسایا کا بڑا ہی حوصلہ افزاء جواب آ گیا، انہوں نے مجھے ملتان دفتر آنے کی دعوت دی۔ اس کے ساتھ انہوں نے کچھ کتابیں بھی بھجوائیں۔ مجھے اب ان کتابوں کے نام بھول رہے ہیں، ان میں سے ایک کتاب تو مولانا الیاس برنی رحمہ اللہ کی ''قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ'' دوسری عبد الغنی پٹیالوی صاحب کی ''اسلام اور قادیانیت۔ ایک تقابلی مطالعہ'' تھی۔ اس کے علاوہ مولانا یوسف لدھیانویؒ کے چند کتابچے بھی شامل تھے۔ چنانچہ اسی سال میں دفتر ختم نبوت ملتان گیا تو مولانا اللہ وسایا بہت زیادہ محبت سے پیش آئے اور خوب راہنمائی فرمائی۔

یوں میں 1984ء میں باقاعدہ طور پر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا حصہ بن گیا۔ جب میں ختم نبوت جماعت میں شامل ہوا تو ہم چونکہ کالج اور یونیورسٹی کے لوگ تھے اور کسی دینی مدرسے میں نہیں

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

پڑھتے تھے تو میں نے اس موضوع پر کتب کا مطالعہ اور نامور علمائے کرام اور علمی شخصیات سے استفادہ کرنا شروع کیا۔ میں نے قادیانیت کا گہرا مطالعہ کیا اور اپنے علماء کی کتابیں پڑھیں تو بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ میں نے براہ راست بھی مشاہیر اور اکابر سے باقاعدہ سبق پڑھے۔ مولانا یوسف لدھیانویؒ بڑے زبردست انداز میں ہمیں پڑھاتے تھے۔ مولانا اللہ وسایا، مولانا عزیز الرحمٰن اور مولانا عبدالرحیم اشعرؒ بڑے زبردست علماء تھے۔ مولانا اشعر ایک چلتی پھرتی لائبریری تھے۔ ان کا مطالعہ بہت زیادہ تھا۔ ان سے بھی میں نے بہت استفادہ کیا۔

اس کے بعد میں نے اس بات کا گہرا مشاہدہ کیا کہ قادیانیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ کیونکہ ان کے لٹریچر سے سادہ لوح مسلمانوں کا فریب میں آنا ہمارے لیے بہت زیادہ فکر کا باعث تھا۔ میں نے قادیانیوں اور پھر سادہ لوح مسلمانوں اور عام دنیادار طبقے کی نفسیات کو پرکھا اور پھر دیکھا کہ یہاں پر کس طرح کے لٹریچر کی ضرورت ہے۔ پھر ہم نے اپنی جماعت کی توجہ اس جانب مبذول کروائی کہ عام شہریوں، سکول و کالجز اور دفاتر میں کام کرنے والے لوگوں کے لیے ردِ قادیانیت پر اس طرح کا لٹریچر ہونا چاہیے کہ انہیں عقلی دلائل کے ساتھ بات سمجھائی جائے کیونکہ علمائے کرام اور دینی مدارس میں پڑھنے والے طلبہ تو قادیانی مسئلہ سمجھ چکے تھے اور جو عام طور پر علماء کی کتابیں تھیں ان سے بھی دینی مدارس یا دیگر مذہبی طبقہ ہی استفادہ کر سکتا تھا، کیونکہ ان کتابوں میں گنجلک بحثیں موجود تھیں۔ جبکہ ضرورت اس امر کی تھی کہ عام مسلمانوں کو قادیانی مذہب کی ہولناکی سے آگاہ کرنے کے لیے سادہ انداز میں بات سمجھائی جائے۔ چنانچہ میں نے قادیانی مسئلہ کو عوامی انداز میں سمجھانے کے لیے تصنیف و تحقیق کا کام شروع کیا۔

مناظروں کی روداد

اسی دور میں مَیں نے ایک کتاب ''ثبوت حاضر ہیں'' مرتب کی جو پوری دنیا میں پڑھی گئی اور اللہ کے خاص فضل و کرم سے مجھے اس سے بہت عزت ملی۔ مولانا عبدالرحیم اشعرؒ اور مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ اور دیگر تمام بزرگ بتاتے تھے کہ جب ہم کسی قادیانی سے مناظرہ کرنے کے لئے جاتے ہیں تو ہم تین تین صندوقوں میں کتابیں لے کر جاتے ہیں، ان میں زیادہ تر کتابیں قادیانیوں کی ہوتی ہیں۔ ہم ایک کتاب تلاش کر کے صفحہ دکھاتے ہیں اور پھر دوسری کتاب سے کوئی حوالہ تلاش کرتے ہیں تو اس سے ہمیں بڑی دقت ہوتی ہے۔ یہ کتابیں ایسی تھیں کہ ان میں سے کوئی بھی گم ہو جائے تو وہ دوبارہ حاصل کرنے کے لیے بڑی محنت کرنی پڑتی ہے کیونکہ قادیانیوں کی جو بہت متنازع کتابیں ہیں انہیں تلاش کرنا بھی بہت مشکل ہے۔

ان حالات میں میرے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی ایک سو کے قریب کتابیں ہیں۔ اس کے علاوہ اس کے بیٹوں کی بھی بہت سی کتابیں ہیں۔ کیوں نہ ہر کتاب سے دو دو یا پانچ پانچ صفحات جو بہت زیادہ متنازع ہیں ان کو سکین کروا کر ایک الگ کتاب میں سمو دیا جائے، یوں ہم اپنا موقف بہت آسان انداز سے مسلمان بھائیوں تک پہنچا سکتے ہیں اور عام قادیانیوں کو بھی دعوت فکر دے سکتے ہیں۔ میں نے ان متنازع صفحات کی کمپوزنگ کروائی۔ اس کے بعد نیچے حوالہ

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

جات دیے اور اگلے صفحہ پر اس کتاب کے اصل صفحے کا عکس دے دیا۔

اس کا فائدہ یہ ہوا کہ علماء کو یا کسی بھی صاحبِ علم کو قادیانیوں سے مباحثہ کرتے وقت سینکڑوں کتابیں اٹھانے کی ضرورت نہ رہی اور وہ صرف کتاب ''ثبوت حاضر ہیں'' کو پیش نظر رکھ کر قادیانیوں سے بات کر سکتے تھے۔ یہ کتاب دنیا بھر میں بے حد مقبول ہوئی۔ ''ثبوت حاضر ہیں'' چار جلدوں پر مشتمل ہے: پہلی جلد 1072، دوسری 912، تیسری 1056 اور چوتھی 1250 صفحات پر مشتمل ہے۔

مثال کے طور پر آپ ایک قادیانی سے کہتے ہیں کہ مرزا قادیانی نے حضرت فاطمہؓ کی شان میں گستاخی کی ہے۔ قادیانی کہتا ہے کہ یہ تو ہماری کتاب میں نہیں ہے تو اس قادیانی کو ''ثبوت حاضر ہیں'' کتاب سے مرزا قادیانی کی متنازع عبارت کا اصل عکس دکھایا جا سکتا ہے۔ میں نے اس کتاب کے شروع میں ایک کھلا چیلنج لکھا ہے کہ میں نے جو عکس دیے ہیں اگر یہ جعلی ہوں اور ان میں کسی قسم کا ردو بدل کیا گیا ہو، یا میں نے کسی میں کوئی ترمیم یا اضافہ کیا ہو۔ قادیانی مجھے جو بھی سزا دینا چاہیں، وہ سفید کاغذ پر لکھ دیں مجھے منظور ہے۔ اگر یہ عکس بالکل ٹھیک ہیں اور واقعی یہ ٹھیک ہیں تو پھر آپ سے میری گزارش ہے کہ اسلام کی آغوش میں آ جائیں اور مرزائیت کو چھوڑ دیں۔ آج میں ان یادداشتوں کو بیان کر رہا ہوں تو ایک بار پھر ''قومی ڈائجسٹ'' کی وساطت سے اسی چیلنج کو دہراتا ہوں۔

میرا ایک چیلنج

اسی طرح میرا ایک اور چیلنج ہے جو پندرہ برس قبل میں نے اپنی ایک ویڈیو کے ذریعے انٹرنیٹ پر دیا تھا۔ یہ ویڈیو آج بھی انٹرنیٹ، سوشل میڈیا پر موجود ہے لیکن مجھے اس چیلنج کے جواب میں قادیانی ای میلز کرتے ہیں، میسج کرتے ہیں جن میں مجھے صرف اور صرف گالیاں دیتے ہیں اور مباحثے کی طرف نہیں آتے۔ میں کہتا ہوں کہ گالی تو وہی دیتا ہے جس کے پاس دلیل نہیں ہوتی۔ قادیانی آج تک مجھے اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکے۔

چیلنج یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی 100 کے قریب کتب ہیں۔ اس کی 83 مکمل کتابیں جو 23 جلدوں میں ''روحانی خزائن'' کے عنوان سے اکٹھی کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ 10 کتابیں ''ملفوظات'' کے نام سے ہیں۔ تین کتابیں ''مجموعہ اشتہارات''، تین کتابیں ''مکتوبات'' ہیں اس کے علاوہ ایک کتاب ''تذکرہ'' ہے۔ یہ تذکرہ وہ کتاب ہے جو درحقیقت قادیانیوں کا اپنا قرآن ہے۔ میرا چیلنج یہ ہے کہ کسی بھی قادیانی نے مرزا قادیانی کی تمام کتابیں نہیں پڑھیں۔ اگر وہ خود اس کی کتب بغور پڑھ لیں اور اللہ تعالیٰ سے ہدایت کے طلب گار ہوں تو وہ کتابیں پڑھتے ہی قادیانیت سے تائب ہو جائیں گے۔

ایک مرتبہ ایک قادیانی مجھ سے بات کرنے آیا اور کہنے لگا کہ ہم کافر کس طرح ہیں؟ میں اس سے کہتا ہوں کہ مرزا نے اپنی کتاب میں یہ لکھا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ ہماری کتاب میں تو ایسا نہیں ہے۔ میں نے اس مربی سے پوچھا کہ آپ نے مرزا کی کتنی کتابیں پڑھی ہیں تو اس کا جواب تھا کہ صرف چار پڑھی ہیں تو میں نے کہا کہ باقی 96 کتابیں کس نے پڑھنی ہیں۔ مجھے آج تک ایسا قادیانی نہیں ملا جس نے اپنے مرزا کی تمام کتابیں پڑھ رکھی ہوں۔ دراصل

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

مطالعہ کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ یہ مشکل کام اس لیے کہ چونکہ مرزا کی کتابوں کے ہر ہر صفحے پر کسی نہ کسی مقدس شخصیت کی توہین موجود ہے اس توہین کو پڑھنا بھی بہت مشکل کام ہے اور ہمارے ذوق کے بالکل برعکس ہے لیکن قادیانیوں کو تو یہ کتابیں پڑھنی چاہئیں اور انہیں اپنے لٹریچر کا تو علم ہونا چاہیے۔

میرے گزشتہ 35 سال کے عرصہ میں قادیانی مربیوں اور نوجوانوں کے ساتھ بہت سے مباحثے اور مناظرے ہوئے جن میں اللہ کی خصوصی توفیق اور فضل سے بہت سے قادیانی مسلمان بھی ہوئے۔ ایک مناظرے کے دوران مجھے قادیانی کہنے لگا کہ ''ہم قرآن مجید کے علاوہ کسی بھی موضوع پر بات نہیں کریں گے''۔ یہ دراصل ان کا ایک نفسیاتی حربہ ہے جس سے عام مسلمان تو گھبرا کر پھنس جاتا ہے۔ قادیانی جب بھی مناظرہ اور بحث کرتے ہیں تو وہ یہ بات ضرور کرتے ہیں۔

کون سا قرآن؟

لیکن جب مجھے قادیانی نے یہی بات کہی تو میں نے جواب دیا کہ مجھے آپ کی بات منظور ہے لیکن یہ وضاحت کیجیے کہ ''کون سا قرآن؟ آپ کا یا ہمارا؟'' میرا جواب سن کر قادیانی مربی کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ کہنے لگا میں آپ کی بات نہیں سمجھا۔ میں نے کہا کہ دیکھو! ایک قرآن آپ کا ہے اور دوسرا ہمارا ہے۔ اب مجھے بتائیے کہ کس سے باہر نہیں نکلنا۔ قادیانی مربی کہنے لگا کہ نہیں قرآن تو ہمارا اور آپ کا ایک ہی ہے۔ میں نے کہا کہ مرزا قادیانی اور اس کی جماعت کا عقیدہ ہے کہ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے اٹھا لیا تھا اور اس کے بعد قرآن مرزا غلام احمد قادیانی پر دوبارہ نازل ہوا۔ (نعوذ باللہ)۔ اب یہ قرآن ''تذکرہ'' کے عنوان سے موجود ہے۔ قادیانی میری بات کا انکار کر رہا تھا کہ میں نے اسی دوران ''تذکرہ'' کھولا اور ایک صفحہ اس کے سامنے کر دیا اور کہا کہ یہ لو اور مرزا کی عبارت پڑھو: ''انا انزلنه قريبا من القاديان'' (اے مرزا قادیانی ہم نے قرآن کو قادیان کے قریب نازل کیا)۔

اب مجھے آپ بتاؤ کہ آپ کا اور ہمارا قرآن مختلف ہے یا نہیں ہے؟ تو پھر بحث کون سے قرآن سے کرنی ہے؟ آپ کس طرح کہتے ہو کہ ایک ہی قرآن ہے؟ کیونکہ ایسی باتیں ہمارے قرآن میں تو نہیں ہیں۔ ہمارے ہاں تو ''انا انزلناه في ليلة القدر'' ہے۔

میں نے ''تذکرہ'' کا ایک اور صفحہ نکالا اور اسے بتایا کہ آپ کا پیشوا مرزا قادیانی کہتا ہے کہ تین شہروں کا نام قرآن مجید میں بڑی عزت کے ساتھ لیا گیا ہے۔ مکہ، مدینہ اور قادیان۔ میں نے جواب دیا کہ ہمارا جو قرآن کریم ہے جو خاتم النبیین حضرت محمد عربی ﷺ پر نازل ہوا اس میں تو الحمد سے لے کر والناس تک 'کہیں بھی 'قادیان' کا لفظ نہیں ہے۔ اگر آپ کسی لفظ کی 'تاویل' بھی کرنا چاہیں تو بھی 'قادیان' لفظ آپ کو نہیں ملے گا۔

یہاں میں اپنے قارئین کو مختصر طور پر بتاتا چلوں کہ قرآن کے مختلف نام ہیں اور اس کا ایک نام ''تذکرہ'' بھی ہے۔ قادیانیوں نے جو اپنے مرزا قادیانی کے اوپر نام نہاد وحی نازل ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اس میں انہوں نے ہمارے قرآن پاک ہی سے کوئی 80 فیصد کے قریب آیات لے لی ہیں۔ مثلاً نبی کریم ﷺ پر ایک وحی اتری ہے ''وما

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

ارسلنک الا رحمته اللعلمین"۔اب قادیانی اس سے مراد (نعوذ باللہ) مرزا قادیانی کو لیتے ہیں۔اب مجھے بتایئے کہ اگر کسی مسلمان کا گہرا مطالعہ نہیں ہوگا تو وہ قادیانیوں کو لاجواب کیسے کر پائے گا؟اسی طرح "انا اعطینک الکوثر" ہے - ،یٰسین ، والضحیٰ، وماا عطکم الرسول ۔ یاایہاالذین امنو لاترفعو اصواتکم فوق صوت النبی۔یہ ساری آیات انہوں نے مرزا قادیانی کے ساتھ منسوب کر رکھی ہیں ۔یوں میں نے یہ مناظرہ شروع ہونے سے پہلے جیت لیا اور قادیانی بھاگ گئے۔

ایک المیہ یہ ہے کہ جب قادیانی کسی بحث میں یہ کہتے ہیں کہ بات صرف قرآن سے ہوگی تو دوسری طرف ہوتا یہ ہے کہ ہم لوگوں کا سطحی مطالعہ ہوتا ہے۔ ہم قرآن کریم کو پوری طرح سے نہایت گہرائی کے ساتھ تفسیر کے ساتھ نہیں پڑھتے اور اس کے ساتھ ہم قادیانیوں کے مکمل لٹریچر کو بھی نہیں پڑھتے۔اس لیے علمائے کرام کہتے ہیں کہ ہر شخص کو قادیانیوں کے ساتھ بحث اور مناظرہ نہیں کرنا چاہیے اور صرف وہی شخص بات کرے جس کا ہر لحاظ سے مطالعہ وسیع ہو اور اس کی اپنی اور قادیانیوں کی پوری کتابوں پر نظر ہو۔کیونکہ اگر آپ کے پاس معلومات کی کمی ہوگی اور قادیانیوں اور اپنی کتب کا گہرا مطالعہ نہیں ہوگا تو آپ قادیانیوں کے چکمہ میں آسکتے ہیں ۔اس کی علماء ایک مثال یوں بھی دیتے ہیں کہ اگر سانپ پکڑنا ہوتو وہ صرف سپیرے کا ہی کام ہے اور یہ ایک باقاعدہ فن ہے ہر بندہ سانپ نہیں پکڑ سکتا۔ قادیانیوں کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لیے بھی ایک فن درکار ہے۔

مجھے ہمیشہ سرخروئی ملی

الحمدللہ میں نے یہ فن اپنے علمائے کرام اور مشاہیر سے سیکھا اور اللہ کے فضل سے میری 35 سالہ تحریکی زندگی میں جب بھی قادیانیوں کے ساتھ بحث ہوئی تو مجھے اللہ نے ہمیشہ سرخرو فرمایا۔وہ فن یہ ہے کہ رد مرزائیت پر آپ کے پاس دلائل اور گہرا مطالعہ ہونا چاہیے۔ میں نے یہ سارے سبق مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ، مولانا عبد الرحیم اشعرؒ اور مولانا اللہ وسایا سے پڑھے اور سیکھے۔ میں نے ان اکابر سے باقاعدہ یہ فن سیکھا۔

میرا قادیانیوں کے ساتھ سب سے پہلا مناظرہ کھرڑیانوالہ ضلع فیصل آباد کے ایک گاؤں رڑکا میں ہوا تھا۔ یقین مانیں کہ وہ قادیانی مربی میرے سوالوں کے جواب نہ دے سکا۔ میں نے اسے اس کی اپنی کتابوں کے جال میں پھنسایا اور وہ چند سوالوں کے بعد ہی گھبرا اٹھا۔ہاں ایک بات میں یہاں پر بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ الحمدللہ میں اس مباحثہ میں تو کامیاب رہا لیکن جب میں نے قادیانیوں کی کتابوں کے حوالے پیش کیے تو مربی کہنے لگا کیا آپ نے خود ہماری کتابیں پڑھی ہیں تو میں نے جواب دیا کہ میں نے براہ راست مرزا کی کوئی کتاب نہیں پڑھی ۔تو اس پر مجھے تھوڑی سی شرمندگی ہوئی تھی ،حالانکہ جس کتاب کا حوالہ میں نے دیا تھا وہ بالکل درست تھا لیکن چونکہ میں نے خود براہ راست قادیانی کتب کا مطالعہ نہیں کیا تھا تو مجھے شرمندہ ہونا پڑا۔اس کے بعد میں نے اپنی زندگی کا مشن بنالیا کہ میں تمام قادیانی کتابوں اوران کے اصل مآخذ کا نہایت گہرائی کے ساتھ مطالعہ کروں گا اور جب بھی قادیانیوں سے بات چیت ہوگی میں

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

براہ راست ان کی کتابوں کا حوالہ دوں گا، چنانچہ میں نے اپنے مطالعہ کا دائرہ بے حد وسیع کر دیا اور آج تو حالت یہ ہے کہ تمام قادیانی کتابوں اور رسائل کو نہایت عمیق نظر سے پڑھ چکا ہوں۔

قادیانی کتب کے حوالے سے سب سے پہلے میں نے مولانا اللہ وسایا صاحب سے کہا کہ میرے لیے کتابوں کا بندوبست کریں تو انہوں نے ایک سابق قادیانی سے بہت سی کتابیں لے کر مجھے بھجوائیں جو آج تک میرے پاس محفوظ ہیں۔ اس کے علاوہ پورے لاہور میں جتنے بھی اولڈ بک سیلرز ہیں میں ان سے رابطے میں رہتا ہوں، وہ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ آج بھی جب ان کے پاس کوئی قادیانیوں کی پرانی کتاب آتی ہے تو وہ میرے لیے رکھ لیتے ہیں۔

اصل میں قادیانیت انگریزوں کا خود کاشتہ پودا ہے۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریز جہاد فی سبیل اللہ سے بہت خائف تھا تو اس نے مسلمانوں کے دلوں میں جہاد کے خلاف نفرت ڈالنے کے لیے اس فتنے کو کھڑا کیا تھا۔ اس کا تسلسل آج تک چلا آ رہا ہے اور موجودہ امریکی صدر ٹرمپ تک سبھی اس فتنے کی سرپرستی کرتے آئے ہیں۔ کیونکہ عالم کفر بالخصوص یہودیوں اور عیسائیوں کو خوب معلوم ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ اسلامی تعلیمات کا ایک اہم ترین ستون ہے اگر یہ ستون کمزور کر دیا جائے تو کافی حد تک مسلمانوں پر غلبہ پایا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر آپ جہاد کا نام لیتے ہیں تو لوگ آپ کو شک کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔

1857ء کے بعد انگریز بہت پریشان تھا کہ جہاد سے ہماری جان کیسے چھوٹ سکتی ہے۔ انہوں نے بڑی کوششیں کیں۔ کبھی سوچا کہ قرآن پاک کے تمام نسخہ جات سمندر برد کر دیے جائیں، جان گلیڈ سٹون کے زمانے میں پارلیمنٹ میں اس پر بحث ہوئی تو وہاں پر ایک بوڑھے پارلیمنٹرین نے کہا کہ دیکھیں آپ پوری دنیا سے قرآن پاک اکھٹے کر کے سمندر برد تو کر دیں لیکن قرآن مجید تو پھر بھی ختم نہیں ہوگا، کیونکہ دنیا بھر میں کروڑوں مسلمان حفاظ کرام کے دلوں میں قرآن پورے کا پورا موجود ہے۔ (مثال کے طور پر دیکھیں کہ روس کی ریاستوں میں تو پرنٹ قرآن مجید پر طویل عرصہ تک پابندی رہی لیکن وہاں پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت حفاظ کرام کے ذریعے سے کی۔ پاکستان سے جو بھی لوگ ماسکو اور دیگر روسی شہروں میں جاتے تھے تو وہ بتاتے تھے کہ وہاں پر حفاظ کرام کی کوئی کمی نہیں)

اس کے بعد انگریزوں کو بخاری اور مسلم کی ایک حدیث ملی۔ وہ طویل حدیث میں یہاں پر مختصر طور پر بیان کرتا ہوں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قرب قیامت حضرت عیسیٰؑ دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ نے انہیں عزت دی اور انہیں آسمان پر اٹھا لیا۔ تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ ہیں اور قیامت کے قریب دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔

حضرت عیسیٰؑ کے متعلق حضور نبی کریم ﷺ نے نشانیاں بیان فرمائیں اور روٹ بھی بیان فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ کب تشریف لائیں گے اور کس راستے سے آئیں گے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ دمشق کی جامع مسجد میں آئیں گے اور صبح کا وقت ہوگا۔ جب عیسیٰؑ تشریف لائیں گے تو دجال کو قتل کریں گے اور پوری دنیا مسلمان ہو جائے گی۔ جب پوری دنیا مسلمان ہو گی تو پھر جہاد کس کے

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

خلاف کیا جائے گا کیونکہ جہاد تو کفار کے خلاف ہوتا ہے۔ تو فرمایا کہ اس وقت جہاد ختم ہو جائے گا۔ پھر فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ کی شادی ہوگی اور بچے پیدا ہوں گے۔ پھر حضرت عیسیٰؑ وفات پا جائیں گے اور گنبد خضریٰ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ دفن ہوں گے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ اب بھی حضرت عیسیٰؑ کی جگہ خالی ہے۔

چنانچہ انگریزوں کے تھنک ٹینک نے پروگرام بنایا کہ حضرت عیسیٰؑ کے آنے سے جہاد ختم ہو گا تو کیوں نہ ہم ایک ایسا بندہ تیار کریں جو یہ کہے کہ میں حضرت عیسیٰؑ ہوں (نعوذ باللہ) اور میرے آنے سے جہاد ختم ہو چکا ہے۔ اب انگریز نے برصغیر میں موجود اپنے ڈپٹی کمشنروں کی ڈیوٹیاں لگائیں کہ وہ اس کام کے لیے کوئی بندہ تلاش کریں۔ مرزا غلام احمد قادیانی ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کی کچہری میں منشی/اہلمد کی نوکری کرتا تھا اور اسے عربی و فارسی سے تھوڑی بہت شد بد تھی۔ لہٰذا انگریزوں نے اس کا انٹرویو کیا اور اسے منتخب کر لیا گیا۔

لیکن یہاں پر لوگوں نے اس سے سوال کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے تو فرمایا تھا کہ جس نے آنا ہے وہ عیسیٰ ابن مریم ہوگا۔ مرزا غلام احمد قادیانی سے پوچھا گیا کہ آپ کا نام تو مرزا غلام احمد ہے اور جنہوں نے آنا ہے ان کا نام عیسیٰ ہوگا۔ عیسیٰؑ کی والدہ کا نام حضرت مریمؑ ہے جبکہ آپ کی والدہ کا نام چراغ بی بی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ تو بغیر والد کے اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے جبکہ آپ کے والد کا نام غلام مرتضیٰ ہے تو آپ میں تو یہ نشانیاں موجود نہیں ہیں چنانچہ آپ وہ نہیں ہو سکتے۔ اس پر مرزا قادیانی اپنی گمراہی پر ڈٹ گیا اور کہا کہ میں اب آ گیا ہوں، عیسیٰ وفات پا چکے اور اب میرے آنے سے جہاد کا حکم ختم ہو گیا ہے۔ جب انگریز نے اپنا مقصد پورا ہوتا دیکھا تو مرزا قادیانی اور اس کی جماعت کو پروموٹ کرنا شروع کر دیا اور کفار کی یہ سرپرستی آج بھی جاری ہے۔

جب مسلمانوں کی طرف سے مرزا سے پوچھا گیا کہ آپ کس طرح عیسیٰؑ ہیں تو مرزا نے اپنی کتاب ''کشتی نوح'' میں جو انتہائی مضحکہ خیز اور انتہائی Stupid جواب دیا وہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے خود (نعوذ باللہ) مجھ سے ''انٹرکورس'' کیا جس سے میں حاملہ ہوا اور دس مہینے کے بعد اور مجھ سے مَیں پیدا ہو گیا۔ جب ہم قادیانیوں سے یہ بات کرتے ہیں تو وہ اس بات کا انکار کرتے ہیں حالانکہ یہ بات ''کشتی نوح'' نامی کتاب میں موجود ہے۔ آپ یقین کیجیے کہ میں نے یہ حوالہ دے کر اور ثابت کر کے کئی قادیانیوں کو اللہ کے فضل و کرم سے مسلمان کیا ہے۔

لو میرج کے کیس

میں اب تک 100 سے زائد قادیانیوں سے مناظرے کر چکا ہوں۔ میرے پاس زیادہ تر Love میرج کے کیس آئے۔ ایک مرتبہ ڈیفنس لاہور کا ایک نوجوان میرے پاس آیا جو ایک لڑکی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا تھا۔ لڑکی بھی رضامند تھی۔ ان کی آپس میں محبت تھی لیکن وہ لڑکی قادیانی تھی اور لڑکے کا کہنا تھا کہ تم پہلے مسلمان ہو جاؤ پھر شادی کریں گے۔ اس پر لڑکی نے کہا آپ مجھے قائل کر لو تو میں قادیانیت سے تائب ہو جاؤں گی۔ یہ کیس میرے پاس آیا۔ جب میں اس لڑکی کے گھر پہنچا تو لڑکی اور لڑکے والوں کی پوری فیملی موجود تھی۔ وہاں پر میں نے نقلی اور عقلی دلائل اس انداز سے پیش کیے

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

کہ اللہ نے اپنے پیارے نبی اکرم ﷺ کی ختم نبوت ﷺ کے صدقے مجھے کامیابی دی۔

لڑکی مجھے کہنے لگی کہ انکل! ہمارا اور آپ کا بس اتنا اختلاف ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ حضرت مہدی نے آنا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ وہ مرزا کی صورت میں آگئے ہیں۔ میں نے کہا فرض کریں کہ میں آپ کو کہتا ہوں کہ جو حضرت مہدی آنے ہیں وہ میں ہوں۔ آپ مجھے کیوں نہیں مانیں گی؟ آپ مجھے کن دلائل کی بنیاد پر مہدی نہیں مانیں گی اور مجھے رد کریں گی؟ وہ لڑکی خاموش ہوگئی۔ کہنے لگی آپ کس طرح مہدی ہو سکتے ہیں؟ میں نے کہا کہ آپ لمز یونیورسٹی کی پڑھی ہوئی ہیں کسی دیہات کی ان پڑھ لڑکی تو ہو نہیں۔ مجھے آپ دلائل دیں کہ آپ مجھے کس طرح سے مسترد کرسکتی ہیں۔ آپ نے جو مرزا کو مہدی تسلیم کیا ہے اور مجھے نہیں کررہیں تو یہ کس بنیاد پر ہے؟ وہ لڑکی مجھے ایک ہی بات کہتی تھی کہ آپ کس طرح مہدی ہیں؟ میں جواب میں یہی کہتا تھا کہ جس طرح مرزا صاحب ہیں۔

جب میں نے اس کو بحث میں اچھا خاصا الجھایا تو وہ کہنے لگی انکل سوری۔ آپ مجھے اس گنجلک بحث سے نکالیں۔ میں نے کہا کہ بیٹا! دیکھو اگر امام مہدی کا دعویٰ اتنا سستا ہوتا تو ہر شہر اور ہر محلے میں ہی مہدی اٹھ کھڑے ہوں گے۔ میرے ماں باپ قربان ہوں جنابِ محمد رسول اللہ ﷺ پر کہ آپ نے اس بابت نشانیاں بیان فرمائی ہیں جو کہ تقریبا سو سے زائد ہیں جو امام مہدی کے متعلق ہیں۔ میں نے کہا میں صرف آپ کو تین چار انتہائی بنیادی نشانیاں بتاتا ہوں۔ یہ وہ نشانیاں ہیں جو مجھ میں بھی نہیں ہیں اور مرزا صاحب میں بھی نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر اصل مہدی جو آئیں گے ان کا نام محمد ہوگا۔ مرزا کا نام ہے مرزا غلام احمد میرا نام ہے محمد متین خالد۔ ان کے والد صاحب کا نام ہوگا عبداللہ۔ میرے والد کا نام غلام محمد اور مرزا کے والد کا نام ہے غلام مرتضیٰ۔ تیسری یہ نشانی ہے کہ امام مہدی کی والدہ کا نام آمنہ ہوگا۔ میری والدہ کا نام کریم فاطمہ اور مرزا کی والدہ کا نام چراغ بی بی ہے۔ بہرحال ایک طویل بحث ہوئی اور اللہ کے لاکھ لاکھ فضل و کرم سے اسی مجلس میں وہ لڑکی میرے موقف پر قائل ہوگئی اور اس نے قادیانیت سے پکی توبہ کرلی۔

اسی طرح ایک اور جگہ بھی اسی نوعیت کا مباحثہ ہوا۔ یہاں بھی لڑکی قادیانی تھی، اس نے اور اس کے گھر والوں نے بھی یہی کہا کہ صرف قرآن مجید سے بات کریں گے۔ تو میں نے اس کا وہی جواب دیا جس کا تفصیلی احوال گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے۔ لڑکی سے میں نے بھی پوچھا کہ آپ مرزا قادیانی کو کیا سمجھتی ہیں تو وہ کہنے لگی کہ ہم اسے مہدی سمجھتے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ دونوں قرآن، ہمارا اور آپ کا خودساختہ قرآن بھی موجود ہے۔ مجھے اس سے حوالہ دکھا دیں تو بچی کہنے لگی کہ نہیں یہ حدیث میں ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ آپ نے تو کہا تھا کہ بات صرف قرآن سے ہوگی۔ اب آپ بیچ میں حدیث لے آئی ہیں۔ یوں بہرحال وہ لڑکی ہر بات پر لاجواب ہوئی۔ اصل میں وہ لڑکی ضدی نہیں تھی، وہ واقعی حق کی متلاشی تھی تو اللہ نے اسے ہدایت بھی دی۔ وہ لڑکی میرے موقف پر قائل ہوگئی اور اس نے قادیانیت سے پکی توبہ کرلی۔ اس طرح کے اور بھی واقعات ہیں۔

میری مناظروں میں کوشش ہوتی ہے کہ میں مباحثے کے دوران ''ایگریسو'' نہ ہوں اور انتہائی

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

ٹھنڈے دل سے فریق مخالف کو قائل کرنے کی کوشش کروں۔ میرا یہ گہرا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ 95 فیصد قادیانیوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کہاں کھڑے ہیں؟ جب ہم ان کے ساتھ مناظرہ کرتے ہیں اور اپنا موقف پیش کرتے ہیں تو ان کا رنگ اڑ جاتا ہے۔ میرے زیادہ مناظرے لاہور میں ہوئے ہیں اور کچھ دوسرے شہروں میں بھی ہوئے۔ بعض اوقات میں سیکیورٹی کی وجہ سے بھی دوسرے شہروں میں نہیں جاتا اور یہی حکم میرے بزرگوں کا بھی تھا۔

یہاں میں اپنے قارئین کو ایک اور دلچسپ بات بتاؤں کہ گزشتہ 13 صدیوں میں جتنے بھی مجددین آئے ہیں ان پر ہمارا اور قادیانیوں کا اتفاق ہے۔ چودھویں صدی میں جا کر ہمارا ان سے اختلاف شروع ہوا جب انہوں نے کہا کہ ہمارا مجدد مرزا قادیانی ہے۔ ہمارے اور قادیانیوں کے مابین دو انتہائی بنیادی اختلافات ہیں:

نمبر:(1) قادیانی کہتے ہیں کہ نبوت کا سلسلہ ختم نہیں ہوا اور جاری ہے۔

نمبر:(2) حضرت عیسیٰؑ کو زندہ اوپر نہیں اٹھایا گیا وہ وفات پا چکے ہیں۔

اب ہم قادیانیوں سے ایک بڑا آسان سا سوال کرتے ہیں جو کہ میں کئی مقامات پر ان سے مباحثوں میں کر چکا ہوں کہ دیکھیں گزشتہ 13 صدیوں کے مجددین پر ہمارا اور آپ کا کوئی اختلاف نہیں تو کیوں نہ ہم یہ دونوں سوالات ان مجددین کے پاس لے جاتے ہیں۔ اب یہاں آکر قادیانی لاجواب ہو جاتے ہیں اور راہِ فرار اختیار کر جاتے ہیں کیونکہ اگر وہ فی الواقع حق کے متلاشی ہوتے اور 13 صدیوں کے مجددین کا موقف تسلیم کر لیں تو انہیں بات نہایت آسانی سے سمجھ آ سکتی ہے۔

ایک مرتبہ میں نے قادیانی نوجوان سے کہا کہ اذقال الله یاعیسیٰ انی متوفیک ...... کا ترجمہ یہ ہے کہ مرزا قادیانی پاگل ہے تو قادیانی کہنے لگا کہ جی یہ تو غلط ترجمہ ہے آپ نے یہ کہاں سے لے لیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ جس طرح آپ نے یہ ترجمہ لیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ وفات پا گئے ہیں تو میں نے بھی یہ ترجمہ وہیں سے لیا ہے۔ اس پر وہ لاجواب ہو گیا اور اس سے بات نہ ہو سکی۔ یعنی آپ قادیانیوں کو نقلی سے زیادہ عقلی دلائل کی مار دیں گے تو وہ بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ میں نے کہا کہ دیکھو اب آپ کا اور میرا اس آیت کے ترجمہ پر اختلاف ہو گیا نا؟ تو اب فیصلہ کس نے کرنا ہے؟ بھائی! یہ فیصلہ گزشتہ 13 صدیوں کے مجددین نے کرنا ہے۔ اب ہم جب ان مجددین کے پاس جاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ قادیانیوں کا بھی ترجمہ غلط ہے اور متین خالد کا بھی ترجمہ غلط ہے اصل ترجمہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ آسمانوں پر زندہ ہیں اور قرب قیامت دوبارہ تشریف لائیں گے۔

ردِعیسائیت کا شوق

جس وقت نبی کریم ﷺ کے خاکے (نعوذ باللہ) شائع کیے گئے تو مجھے ردِعیسائیت کا بھی شوق پیدا ہوا۔ میں نے سوچا کہ اگر متعصب عیسائی نبی کریم ﷺ کی کردار کشی کرتے ہیں تو مجھے بھی حق حاصل ہے کہ میں ان کے بڑے بڑے پادریوں کا اصل چہرہ دنیا کو دکھاؤں اور ان پادریوں کا چرچ میں جو حقیقی رول ہے اس سے پردہ اٹھاؤں۔ چنانچہ میں نے اس عنوان سے بہت مطالعہ کیا اور دو کتابیں ''عیسائیت کے تعاقب میں'' اور ''پادریوں کے کرتوت'' مرتب کیں۔ آج بھی جب مجیب الرحمٰن

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

شامی صاحب سے ملاقات ہوتی ہے تو وہ اس کتاب کو یاد کرتے ہیں ۔ پادریوں کے کرتوت بڑی زبردست کتاب ہے۔

''پادریوں کے کرتوت'' میں میں نے جتنا بھی تحقیقی مواد لیا وہ عالمی جرائد سے لیا ہے۔ میں بی بی سی، سی این این، نیویارک ٹائمز، واشنگٹن ٹائم، ڈیلی مرر، نیوز ویک جیسے مستند عالمی جرائد سے باہر نہیں نکلا۔ میں نے نیوز ویک میں ایک سٹوری پڑھی کہ کیلی فورنیا کے ایک چرچ میں ایک پادری نے تین سال کے لڑکے کے ساتھ بدفعلی کی ہے۔ میں نے سٹوری پڑھی تو سمجھا کہ نیوز ویک نے بچے کی عمر 13 سال لکھنے کے بجائے غلطی سے 3 سال لکھ دی ہے تو میں نے نیوز ویک کے ایڈیٹر کو ای میل کی اور لکھا کہ کہیں یہ کمپوزنگ کی غلطی تو نہیں، کیونکہ تین سال تو بہت ہی کم عمر ہے۔ اس پر ایڈیٹر کا جواب آیا کہ نہیں یہ واقعی تین سال عمر ہے۔ آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں میں نے اس کتاب میں کس قدر تحقیق سے کام لیا ہے۔

یہ کتاب 2005ء میں شائع ہوئی اور ہاتھوں ہاتھ بک گئی۔ اس پر جے سالک اور لاہور کے دیگر پادریوں نے جنرل پرویز مشرف (جو اس وقت چیف آف آرمی سٹاف اور صدرِ پاکستان تھے) سے ملاقات کی اور میری یہ کتاب ان کو دکھائی کہ اس سے ہماری دل آزاری ہوئی ہے لہذا اس پر پابندی لگائی جائے۔ اس ملاقات کے فوری بعد میرے خلاف لاہور کے تھانہ سول لائنز میں مقدمہ قائم کرلیا گیا۔ اس پرچے میں مجھ پر دہشت گردی کی دفعات لگائی گئیں اور اس کے ساتھ میری اس کتاب پر پابندی لگادی گئی۔

اللہ کا کرم یہ ہوا کہ میں ضمانت کے چکر میں تھا کہ قبل از گرفتاری ضمانت کروالوں تو مجھے اس وقت کے ایڈیشنل آئی جی پنجاب کا فون آیا۔ (میں ان کا نام نہیں بتانا چاہتا)۔ وہ کہنے لگے کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ کے خلاف دہشت گردی کا پرچہ درج ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ فوری طور پر میرے دفتر آ کر مجھ سے ملیں۔ یہ مجھے اللہ کی طرف سے ایک غیبی نصرت تھی وگرنہ میری تو کوئی سفارش نہیں تھی۔ میں اپنے پبلشر کے ساتھ ان کے آفس گیا تو انہوں نے میری بہت زیادہ عزت افزائی کی اور کہنے لگے کہ آپ نے گھبرانا نہیں ہے۔ آپ ختم نبوت کے محاذ پر بہت زیادہ کام کر رہے ہیں اور اگر میں آپ کی مدد کر دوں تو یہ میرے لیے ایک سعادت ہوگی۔ پھر انہوں نے متعلقہ اے ایس آئی جس کے پاس میری تفتیش تھی کو بلایا اور اسے ہدایت کی کہ متین خالد نے بہت اچھا کام کیا، بالکل غلط پرچہ درج ہوا تو اس پرچے کو خارج کردیں۔ چنانچہ اسی دن پرچہ خارج ہوگیا۔ یہاں پر ایک لطیفہ بھی سن لیں کہ وہ اے ایس آئی مجھے کہنے لگا کہ جی آپ نے اتنی بڑی سفارش کروائی ہے تو یہ پرچہ آپ کا ختم کر دیتا ہوں ۔ آپ بس ایسا کریں کہ مجھے کچھ نہ کچھ ''خرچہ'' دے دیں۔ یوں میں نے اسے کچھ چائے پانی پیش کردیا۔

مجھ پر قاتلانہ حملے بھی ہوئے اور بہت سے پرچے بھی درج ہوئے لیکن اللہ نے اپنے نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کے صدقے مجھے ہمیشہ محفوظ رکھا۔ 26 اپریل 1984ء کو جنرل ضیاء الحق کے دورِ حکومت میں قادیانیوں کے خلاف آرڈیننس نافذ ہوا جس کے تحت قادیانیوں کو واضح الفاظ میں کہا گیا کہ وہ آئین پاکستان کے تحت شعائر اسلامی استعمال نہیں کر سکتے۔ یہ اپنے مذہب کو اسلام نہیں کہہ سکتے اور اپنی عبادت گاہ کو مسجد نہیں کہہ سکتے۔

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

کیونکہ جب قادیانی کلمہ لکھتے اور پڑھتے ہیں تو اس میں وہ محمد ﷺ کی جگہ مرزا قادیانی مراد لیتے ہیں۔ مرزا قادیانی کی بیوی کو ام المومنین کہتے ہیں اور اپنی عبادت گاہ کو مسجد کہتے ہیں۔

اس وقت قادیانی جماعت کا چوتھا سربراہ مرزا طاہر احمد تھا۔ یہ بھٹو صاحب کے دور میں بہت ایکٹو تھا اور 29 مئی 1974ء کو اسلامی جمعیت طلبہ ملتان کے جن طلبہ کو قادیانیوں نے مارا پیٹا تھا اس گروہ کو مرزا طاہر خود لیڈ کر رہا تھا۔ ان حالات میں مرزا طاہر نے یہ مہم چلائی کہ چونکہ ہمیں حکومت کی طرف سے شعائر اسلامی کے استعمال پر روکا جا رہا ہے تو اس نے قادیانیوں سے کہا کہ وہ اپنے گھروں، دکانوں پر بورڈ لگائیں اور اپنے سینوں پر بیج لگائیں جن پر واضح طور پر کلمہ طیبہ لکھا ہو۔ اسے ”کلمہ طیبہ مہم“ کہا گیا۔ ننکانہ صاحب میں قادیانیوں نے اس مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ہم نے یہ کیا کہ قانون اپنے ہاتھ میں لینے کے بجائے اور قادیانیوں کو زبردستی روکنے کے بجائے علمائے کرام، وکلاء حضرات، ٹریڈ یونینز، تاجر برادری اور طلبہ برادری و دیگر طبقات سے مشاورت کی۔ ہم نے کارنر میٹنگز کیں، جلسے کیے۔ ایک عوامی فضا بنائی اور عام لوگوں کو بتایا کہ اس وقت ننکانہ صاحب میں جو قادیانیوں نے اپنے گھروں کے باہر کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے یہ تو پاکستانی قانون کی خلاف ورزی ہے۔ لہٰذا ہم قانون کے ذریعے انہیں اس بات سے باز رکھیں کہ وہ شعائر اسلامی استعمال نہ کریں۔

اس کے بعد ہم نے انتظامیہ سے کہا کہ قادیانیوں نے جو کلمہ طیبہ لکھا ہے یہ غیر قانونی ہے۔ اس وقت وزیر اعلیٰ پنجاب میاں نواز شریف کی حکومت میں ارشد خان لودھی صوبائی وزیر تھے۔ ان کے ایک بھائی محمد اکرم لودھی ڈی ایس پی ننکانہ تھے۔ یہ بڑے باکمال انسان تھے۔ اس وقت ننکانہ ابھی ضلع نہیں بنا تھا اور یہ تحصیل تھی۔ لودھی صاحب نے ہماری بات بڑی توجہ کے ساتھ سنی اور انہوں نے پھر قادیانیوں کے گھروں کے باہر لکھا گیا کلمہ طیبہ ہٹایا۔

ننکانہ کے قادیانیوں کو بخوبی علم تھا کہ اس ساری مہم کے پیچھے متین خالد ہے۔ اس وقت قادیانیوں کو ننکانہ میں جو شخص لیڈ کر رہا تھا اس کا نام طاہر خان تھا۔ یہ شہر کا ایک بدمعاش ٹائپ آدمی تھا۔ اس کی والدہ اور والد قادیانی مبلغ تھے۔ یہ اس وقت کلاشنکوف سے مسلح ہو کر میرے گھر آیا اور غصے سے دروازہ کھٹکھٹانے لگا اور گالیاں دیں اور خوب للکارے مارے کہ متین خالد کو باہر نکالو آج میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ اس نے ہوائی فائرنگ کی تو ایک خوف کی فضا پیدا ہو گئی۔ میرے گھر والوں نے گھر کا دروازہ بند کر دیا۔ یہ رمضان المبارک کا آخری عشرہ تھا اور میں مسجد میں اعتکاف بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے وہاں اطلاع ملی کہ طاہر خان آپ کے گھر کے باہر شور کر رہا ہے۔ میں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ میرے لیے اعتکاف مکمل کرنا بہت مشکل ہے اور میں ابھی باہر نکل کر اس سے دو دو ہاتھ کر کے آتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس وقت میرا خون بھی جوان تھا اور میں تحفظ ختم نبوت کے جذبے سے بھی سرشار تھا۔ مجھے مسجد کی انتظامیہ اور اور تمام دوستوں نے بڑی مشکل سے روکا اور کہا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہم سب آپ کے ساتھ ہیں اور آپ اپنا اعتکاف خراب نہ کریں۔ ہم نے اس کے خلاف تھانے میں ایف آئی آر درج کروا دی ہے۔ خیر میں نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اس واقعہ کے کچھ ہی روز بعد طاہر خان اور اس کے قادیانی والدین پاکستان چھوڑ گئے اور انگلینڈ

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

سیٹل ہو گئے۔ اس طرح کے اور بھی واقعات ہیں۔
لاہور میں میرا بہت تعاقب ہوتا رہا ہے، قادیانی دھمکی آمیز خطوط لکھتے رہے اور فون پر بھی دھمکیاں دیتے رہے اور آج تک دیتے ہیں لیکن میں نے آج تک اپنے دوستوں اور گھر والوں کو نہیں بتایا کہ میرے ساتھ کیا حالات پیش آتے رہتے ہیں باقی میں موت سے تو بالکل ہی نہیں ڈرتا کیونکہ موت کا ایک وقت معین ہے اور اس سے بڑھ کر بہترین موت اور کیا ہوگی جو تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر آئے۔
قادیانی یہ بات بار بار دہراتے ہیں کہ جو بھی شخص ختم نبوت کا کام کرتا ہے اس کی موت عبرت ناک ہوتی ہے کیونکہ نبوت کا سلسلہ جاری ہے (نعوذ باللہ)۔ مجھے اس بات کا تجسس ہوا کہ میں بھی تو تحقیق کروں کہ قادیانی خود کیسی موت مرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے ایک تحقیقی کتاب ''قادیانی راسپوٹینوں کے انجام'' لکھی جس پر پابندی لگا دی گئی اور مجھ پر مقدمہ دائر کر دیا گیا۔
میں نے جتنے بھی علمائے کرام کی صحبت اختیار کی وہ تمام تحفظ ختم نبوت کا کام کرنے والے تھے اور یہ میری خوش قسمتی تھی کہ ان علماء میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جو فرقہ پرور ہو اور فروعی اختلافات کی بنیاد پر مسلمانوں کو آپس میں لڑاتا ہو۔ ان علماء و مشاہیر میں حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ، مولانا شاہ احمد نورانیؒ، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا شریف جالندھری، مولانا عزیز الرحمن جالندھری، مولانا محمد منظور چنیوٹی، مولانا تاج محمود، مولانا عبدالستار خان نیازی، مولانا اللہ وسایا، مولانا تاج محمود کے بیٹے صاحبزادہ طارق محمود اور مولانا عین غین کراروی سے مسلکی اعتدال کا سبق سیکھا۔ یہ لوگ حقیقی معنوں میں اتحاد امت کا درس دیتے تھے۔ یہ عظیم لوگ تھے۔
ایک مرتبہ ہم مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب سے سبق پڑھ رہے تھے تو میں نے سوال کیا کہ مولانا قاسم نانوتویؒ کی کتاب ''تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباس'' کے متعلق ہمیں کچھ سمجھائیے۔ میرے سوال پر مولانا لدھیانوی نے وہ کتاب منگوائی۔ مولانا نانوتویؒ کی اس کتاب کی عام آدمی کو تو کیا عالم دین کو بھی سمجھ نہیں آتی اور اسے سمجھنے کے لیے مولانا یوسف لدھیانویؒ، پیر جماعت علی شاہؒ، پیر مہر علی شاہ صاحبؒ اور پیر محمد کرم شاہ صاحبؒ جیسی شخصیت کا ہونا ضروری ہے۔
مولانا لدھیانوی صاحب نے اس انداز سے اس کتابچے کی تعریف بیان فرمائی کہ اس کے بعد میں نے جب بھی یہ کتاب پڑھی مجھے اس میں بے حد سرور محسوس ہوا۔ مولانا لدھیانوی نے ہمیں اس کتاب کے صرف تین چار صفحے پڑھائے۔ یقین جانیے کہ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ علم و عرفان کے موتی بکھیر رہے ہیں۔ ہر ہر جملے کی ایسی عمدہ انداز میں تشریح فرماتے کہ ہم اس پر سبحان اللہ، ماشاء اللہ اور واہ واہ کرتے رہے۔ بڑے دکھ کے ساتھ لکھا ہے۔
حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہریؒ بڑے عظیم انسان تھے۔ انہوں نے عملی طور پر اتحاد امت کے لیے شاندار کام کیا۔ ان کی اپنی تفسیر ضیاء القرآن کے دیباچے میں بھی ہے کہ امت مسلمہ فروعی اختلافات میں گھر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی ہے جو لمحہ فکریہ ہے۔ یہی وجہ ہے ان علماء کی صحبت کا مجھ پر خاص اثر ہوا اور میں فرقہ واریت کا ہرگز قائل نہیں ہوں۔ میں نے ہمیشہ قادیانیوں کے خلاف کام کیا اور ہر مسلک کے پلیٹ فارم پر گیا اور اب بھی جاتا ہوں۔ دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث، جماعت

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

اسلامی ہر ایک کے پروگراموں میں جاتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کے تحفظ کے صدقے مجھے تمام مسالک کے لوگ اپنے سٹیج پر بلاتے ہیں۔

میری سب سے پہلی کتاب ''قادیانیت ہماری نظر میں'' 1993ء میں شائع ہوئی۔ یہ سات سو پچاس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی منفرد بات یہ تھی کہ میں نے اس میں علماء، وکلاء، تاجر برادری، طلبہ برادری، سیاستدان، شعراء، صحافی اور دیگر تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کے تاثرات درج کیے تھے کہ قادیانیت کیا ہے۔ یہ کتاب میں نے اس لیے ترتیب دی تھی کہ قادیانی یہ پروپیگنڈا کرتے تھے کہ ہمیں تو صرف مولوی غیر مسلم کہتا ہے اور پڑھا لکھا دانش ور طبقہ ہمیں مسلمان سمجھتا ہے۔ تو میں نے اس کا جواب یوں دیا کہ ایسی بات نہیں پوری امت مسلمہ کے نزدیک آپ کافر ہیں۔ آپ کو تو سب سے پہلے علامہ اقبالؒ جیسے عظیم دانش ور نے کافر قرار دیا تھا۔ شاعرِ مشرق برصغیر کے وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے قادیانیوں کو کافر قرار دینے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے پہلے کہا کہ قادیانی قوم اور ملک دونوں کے غدار ہیں، پھر کہا کہ قادیانیت یہودیت کا چربہ ہے۔

جب ہم نے ختم نبوت کا کام شروع کیا تو اس وقت دین دار طبقہ تو قادیانیوں کو سمجھ چکا تھا لیکن وکلاء، ججز، صحافی، تاجر اور دیگر طبقوں کو بات سمجھانا بہت مشکل تھا کیونکہ یہ لوگ عام، سادہ اور ٹو دی پوائنٹ دلیل کو مانتے تھے۔ مثال کے طور پر ایک بات ایک مولانا صاحب دیہات کے مجمع سے مخاطب ہو کر انہیں سمجھا رہے ہیں تو ہم وہی بات جب کسی جج اور بیوروکریٹ کے سامنے پیش کریں گے تو وہ دیہات والا سٹائل اور علم نہیں چلے گا اور بات نقلی سے زیادہ عقلی دلیل سے چلے گی۔ اس لیے ہم نے اپنے بزرگوں اور مشاہیر سے مشاورت کر کے ان کو توجہ دلائی کہ عام لوگوں کو قادیانی مسئلہ سمجھانے کے لیے اس طرح کا لٹریچر تیار کیا جائے۔

مولانا یوسف لدھیانوی صاحبؒ نے اس طرف خوب توجہ فرمائی اور چھوٹے چھوٹے کتابچے تیار کر کے عام مسلمانوں تک پہنچائے۔ ہم علماء کو جب اپنی تجاویز پیش کرتے تو اس وقت علمائے کرام کے بالکل قریب چونکہ مولانا اللہ وسایا صاحب بیٹھے تھے جو ہماری پوری ترجمانی کرتے اور ہمارا مقدمہ اکابر علماء کے سامنے پیش کرتے۔ یوں اس محاذ پر باقاعدہ تحریک کی صورت میں کام شروع کیا گیا اور دھڑا دھڑ لٹریچر سامنے آنے لگا۔ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کا یہ طریقہ کار تھا کہ وہ تصنیف وتالیف کے معاملے میں ہم لوگوں کی ڈیوٹیاں بانٹ دیتے تھے کہ بھئی اس موضوع پر متین خالد کام کرے گا اور اس موضوع پر مولانا اللہ وسایا صاحب اور دیگر حضرات کام کریں گے۔ پھر ہم سب لوگ اپنا اپنا کام کر کے یونہی چھاپ نہیں دیتے تھے بلکہ اسے مولانا لدھیانویؒ سے چیک کرواتے تھے۔

جنرل ضیاء الحق سے ڈاکٹر عبدالسلام کی ملاقات

میری زندگی میں ایک تاریخی واقعہ یہ پیش آیا کہ جب قادیانی جماعت کا چوتھا خلیفہ مرزا طاہر احمد یہاں سے بھاگ کر لندن پہنچ گیا تو وہاں اس نے سرکردہ قادیانیوں کی ایک میٹنگ رکھی۔ وہاں پہلی صف میں سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام بیٹھا تھا۔ مرزا طاہر نے اس سے کہا کہ آپ پاکستان جائیں اور جنرل ضیاء الحق سے کہیں کہ وہ 1984ء والا آرڈی نینس واپس لیں جس میں کہا گیا کہ قادیانی شعائر

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

اسلامی استعمال نہیں کر سکتے۔ چنانچہ ڈاکٹر عبدالسلام یہاں آیا اور اس نے جنرل ضیاء الحق سے ملاقات کی۔ جنرل صاحب بڑے زیرک انسان تھے اور اس ملاقات سے قبل ہی ان کو بریف کر دیا گیا تھا کہ عبدالسلام کیوں ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ عبدالسلام جب ملاقات کے لیے آیا اور اس نے اپنا مدعا بیان کیا تو جنرل ضیاء الحق اپنی نشست سے اٹھے اور قادیانیوں کا قرآن ''تذکرہ'' نکال کر لائے اور کہا کہ دیکھیں اس میں مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا ہے کہ '' انا انزلہ قریباً من القادیان''۔ قرآن قادیان کے قریب نازل ہوا۔ ڈاکٹر عبدالسلام جنرل ضیاء الحق سے اس طرح کی توقع نہیں رکھتا تھا۔ بہرحال جنرل صاحب نے اسے صاف انکار کر کے واپس بھیج دیا۔ اس کے بعد 1989ء میں مرزا طاہر نے ایک اور چال چلی اور جتنے بھی اہم لوگ قادیانیوں کے خلاف کسی بھی انداز میں کام کر رہے تھے ان کو خطوط لکھے۔ اس نے چند اہم شخصیات کا انتخاب کر کے ''مباہلے'' کا ایک خط بھیجا۔

اب دیکھیں کہ مباہلے کی کچھ شرائط ہوتی ہیں جس طرح نبی کریم ﷺ نے نجران کے عیسائیوں سے مباہلہ کیا تھا اور قرآن میں اس کا ذکر ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ مباہلہ چیلنج کرنے والا اپنے اہل خانہ کو بھی ہمراہ لائے گا۔ دوسرا فریق بھی اپنے اہل خانہ کو لائے گا۔ جب آپ ﷺ نے نجران کے عیسائیوں کو چیلنج دیا تو اس میں آپ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ، حضرت حسنین کریمینؓ کو لے کر اس مقام پر پہنچے۔ ظاہر بات ہے کہ عیسائیوں نے کہاں مباہلہ کرنا تھا، وہ بھاگ گئے۔

اب مرزا طاہر نے پاکستان کے علماء، مصنفین کو مباہلے کا خط لکھا تو اس کا وہ خط میرے نام بھی آیا۔ میں نے ان کو جواب دیا کہ آپ تو انگلینڈ میں ہیں اور مجھے تو انگلینڈ کا ویزا نہیں ملے گا۔ آپ چونکہ ایک جماعت کے سربراہ ہیں تو آپ پاکستان آ جائیں۔ آپ بھی اپنے بیوی بچوں کو ہمراہ لائیں اور میں بھی اپنے اہل خانہ کو لے کر آتا ہوں اور پاکستان کے جس مقام پر آپ کہیں گے میں پہنچ جاؤں گا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ آپ کبھی نہیں آئیں گے۔ اس لیے کہ آپ بالکل جھوٹے ہیں۔

مرزا طاہر کے مباہلے کے چیلنج کو پاکستان کے تمام علماء اور دانش وروں نے قبول کیا جن میں ڈاکٹر علامہ طاہر القادری بھی شامل تھے۔ علامہ صاحب نے مرزا طاہر کو کہا کہ آپ مینارِ پاکستان آ جائیں وہاں پر مباہلہ ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی قادری صاحب نے مینار پاکستان پر ''مباہلہ کانفرنس'' کا اعلان کر دیا۔ یہ کانفرنس بڑی شاندار ہوئی تھی۔ اس میں تمام مسالک کے علماء اور شہریوں نے شرکت کی۔ کانفرنس سے کچھ دن پہلے قادری صاحب نے اپنی مجلس شوریٰ میں کہا کہ رد قادیانیت کے موضوع کا سپیشلسٹ متین خالد ہے ان کی راہنمائی ضروری ہے، چنانچہ ڈاکٹر صاحب کے حکم سے ان کے ایک شاگرد الیاس اعظمی صاحب میرے پاس تشریف لائے۔

میں نے ان سے کہا کہ میری تمام قادیانی کتابیں تو ننکانہ صاحب میں ہیں تو انہوں نے کہا کہ کوئی بات نہیں وہاں سے ہم پوری لائبریری اٹھا لائیں گے۔ پھر ہم ننکانہ گئے اور تمام کتابیں لے کر ادارہ منہاج القرآن میں آ گئے۔ میں نے سٹیٹ بینک سے کچھ دن کی چھٹی لے لی اور ڈاکٹر صاحب مجھ سے جو بھی حوالہ جات طلب کرتے میں فوری طور

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

پر انہیں نکال دیتا اور جہاں وہ کوئی بات سمجھنا چاہتے میں ان کی راہنمائی کر دیتا۔

اس کے بعد مجھے قادری صاحب نے آفر کی کہ آپ میرے ادارے میں مستقل آ جائیں اور تحفظ ناموس رسالت کا مستقل شعبہ سنبھال لیں۔ میں نے مسکرا کر کہا علامہ صاحب میری بہت اچھی سرکاری نوکری ہے۔ آپ کے مزاج کا کچھ پتا نہیں کل کو بدل جائے تو پھر میں کہاں جاؤں گا؟ آپ تحفظ ناموس رسالتؐ کے سلسلے میں مجھے جہاں بھی طلب کریں گے میں غیر مشروط طور پر بغیر کسی معاوضہ کے حاضر ہو جایا کروں گا۔ پھر یہ مباہلہ کانفرنس بڑے زبردست انداز میں ہوئی اور میری تمام کتب سٹیج پر سلیقے سے رکھی گئیں اور میں سٹیج پر ڈاکٹر صاحب کے پاس بیٹھا رہا۔ لیکن ظاہری بات ہے کہ مرزا طاہر نے نہ آنا تھا نہ وہ آیا۔

سچ پوچھیے تو میں جب سے تحفظ ختم نبوت کے کام سے منسلک ہوا ہوں میں نے آج تک کسی کو اپنے مسلک کے متعلق نہیں بتایا۔ میری ایک عادت ہے کہ مجھے جس مسلک کے لوگ بھی ردقادیانیت اور تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں اپنے پروگرام میں بلاتے ہیں تو میں انہی کے بزرگوں اور اکابر کے حالات بیان کرتا ہوں جس سے ان پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔

ایک لطیفہ یہ ہوا کہ مجھے لیاقت بلوچ صاحب اور ڈاکٹر فرید احمد پراچہ صاحب نے منصورہ میں ایک پروگرام میں مدعو کیا تو میں نے اپنی تقریر میں مولانا مودودیؒ اور فرید احمد پراچہ صاحب کے والد مولانا گلزار احمد مظاہریؒ کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔ (مولانا گلزار احمد مظاہریؒ ارباب عالم کے سسر ہیں۔ ارباب عالم نشتر میڈیکل کالج ملتان کی سٹوڈنٹس یونین کے صدر تھے اور طلباء کی اس جماعت میں شامل تھے جس پر قادیانیوں نے تشدد کیا تھا۔ جب مظاہریؒ صاحب کے پاس ارباب عالم کا رشتہ آیا تو گھر والوں نے ذرا سی مخالفت کی تو مولانا گلزار احمد مظاہریؒ نے ایک جملہ کہا کہ اگر اس نوجوان کی نوکری اور مکان نہیں ہے تو اس کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ یہ مجاہد ختم نبوت ہے اور میرے لیے یہ بڑی سعادت کی بات ہے۔ چنانچہ انہوں نے پھر ارباب عالم کو اپنا داماد بنا لیا)۔ جب میں تقریر ختم کر کے سٹیج سے نیچے آیا تو لوگ کہنے لگے کہ متین صاحب آپ جماعت اسلامی میں کب شامل ہوئے؟ تو میں نے مسکرا کر جواب دیا کہ یہی کوئی ایک گھنٹہ پہلے میں نے جماعت جوائن کی ہے۔ اس پر سب حضرات مسکرا اٹھے۔

آپ میری بات سن کر حیران ہوں گے کہ میری ڈاڑھی پہلے بہت ہی چھوٹی تھی اور میں جس محفل میں بھی جاتا علمائے کرام کچھ اچھا نہیں سمجھتے تھے اور بعض حضرات تو باقاعدہ مجھ سے کھنچے کھنچے رہتے کہ یہ بندہ ختم نبوت کا کام کرتا ہے اور اس کی ڈاڑھی مکمل نہیں۔ اکثر علماء مجھے بھری محفل میں کہہ دیتے تھے کہ آپ کی ڈاڑھی سنت کے مطابق نہیں ہے، حالانکہ اصلاح کا یہ طریقہ بالکل غلط ہے۔ طریقہ یہ ہوتا ہے کہ آپ آدمی کو بڑی محبت اور چاہت کے ساتھ اپنے پاس بٹھائیں اور باتوں باتوں میں بڑے لطیف انداز میں اس کی اصلاح کریں اور بھری محفل میں ٹوکنے سے اجتناب کریں۔

مجاہد ختم نبوت، مجاہد فی سبیل اللہ اور ردعیسائیت پر ماہرانہ دسترس رکھنے والے مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ تھے۔ ان کے ایک پوتے ادارہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے سربراہ تھے۔ ان کا نام غالباً مولانا ہاشم ہے۔ جب میں وہاں گیا تو میں ان کی خدمت میں

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

حاضر ہوا اور انہیں اپنی کتاب ''عیسائیت کے تعاقب میں'' پیش کی تو وہ بہت خوش ہوئے اور اپنے ہاتھوں سے شہد میں آبِ زم زم ڈال کر مجھے پلایا۔ پھر کہنے لگے کہ کل آپ کا کھانا میرے پاس ہے۔ اگلے دن میں پہنچا تو وہاں مولانا زکریا کاندھلویؒ کے پوتے مولانا طلحہ کاندھلوی صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ لاہور سے بھی کچھ علمائے کرام وہاں موجود تھے۔ لاہور کے علماء میں سے ایک صاحب تھے جن کا میں نام نہیں لینا چاہتا۔ مولانا ہاشم صاحب نے علماء سے میرا تعارف کروایا تو یہ بھری محفل میں مجھ پر کڑی تنقید کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ ان کا کام بہت اچھا ہے لیکن ان کی ڈاڑھی بہر حال سنت کے مطابق نہیں ہے اس پر مولانا ہاشم صاحب کہنے لگے کہ دیکھیں یہ جواب تو وہ خود دیں گے، لیکن بات یہ ہے کہ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو نصیحت کرنی ہو تو علیحدگی میں کرنی چاہیے۔ بھری محفل میں نصیحت نہیں ہوتی بلکہ انسان کی توہین ہوتی ہے۔

پھر میں نے مولانا ہاشم صاحب سے کہا کہ میرے دل میں ایک جستجو ضرور ہے کہ میں نے ایک دن مکمل ڈاڑھی رکھ لینی ہے آپ میرے لیے دعا فرمائیے۔ اس کے ساتھ ہی میں ان مولانا صاحب سے مخاطب ہوا کہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میری ڈاڑھی سنت کے مطابق نہیں ہے لیکن اگر آپ اجازت دیں اور ناراض نہ ہوں تو میرا بھی ایک اعتراض ہے کہ آپ کا جو اتنا پیٹ بڑھا ہوا ہے یہ بھی تو سنت کے مطابق نہیں ہے۔ میں نے کہا ایسا پیٹ تو نبی کریم ﷺ اور ان کے لاکھوں صحابہ کرامؓ میں سے کسی کا بھی نہیں تھا۔ اگر آپ اس دور میں ہوتے تو کیا آپ کو نبی کریم ﷺ اپنے ساتھ جہاد و قتال پر لے کر جاتے؟ تو میرے اس جواب پر وہ مولانا بہت ہی شرمندہ ہوئے۔

ہمارے ہاں یہ جو اصلاح کا طریقہ ہے یہ بالکل غلط ہے۔ اگر ایک نوجوان پینٹ شرٹ پہن کر مسجد میں آ جاتا ہے اور آپ اسے ٹوکتے ہیں تو آپ کو یہ کس نے حق دیا ہے کہ اس کے لباس پر تنقید کریں اور اسے مسجد سے دور کرنے کا سبب بن جائیں۔ ترکی سمیت بہت سے ایسے ممالک جہاں پر مساجد کے علماء اور آئمہ بھی پینٹ شرٹ پہن کر جماعت کرواتے ہیں۔ میں نے اپنے دورہ ترکی میں ایسی مساجد میں نماز ادا کی جہاں پر پچاس پچاس ہزار نمازی تھے۔ وہاں امام سمیت سبھی نے پینٹ شرٹ پہن رکھی ہوتی ہے تو کیا ہم یہ کہیں گے کہ ان کی نماز نہیں ہوتی، ایسی ہرگز کوئی بات نہیں۔ دیکھیں کہ لباس اور ثقافت تو ہر خطے کی اپنی اپنی ہے، ہمیں یہ کس نے حق دیا ہے کہ ہم لباس کے متعلق فتوے لگاتے پھریں؟

میں حیران ہوتا ہوں کہ حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہریؒ، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، مولانا عبدالرحیم اشعرؒ، مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ اور مولانا اللہ وسایا جیسے علمائے کرام کی صحبتوں میں بیٹھتا رہا لیکن انہوں نے مجھے بھری محفل میں ٹوکنا تو دور کی بات کبھی علیحدگی میں بھی ایسا نہیں کہا۔ یہ حضرات تو مجھے والہانہ انداز میں ملتے اور بہت محبت سے پیش آتے۔ انہی علماء کی صحبت کی برکت تھی کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ میں نے پوری ڈاڑھی رکھ لی۔ اب دلچسپ بات دیکھئے کہ میں نے پوری ڈاڑھی کیسے رکھی۔ 2015ء میں سٹیٹ بینک سے ریٹائر ہوا تو میں نے اپنی فیملی کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کا ارادہ کیا۔ ان دنوں میں مولانا یوسف لدھیانویؒ کی ایک کتاب پڑھ رہا تھا جس میں انہوں

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

نے ڈاڑھی کے متعلق ایک جملہ لکھا جو مجھ پر بہت اثر کر گیا اور پھر میں نے ڈاڑھی رکھ لی۔ انہوں نے لکھا کہ جن حضرات کی ڈاڑھی مکمل نہیں ہے اگر وہ ناراض نہ ہوں تو میں ان سے عرض کروں کہ آپ اتنا پیسہ اور وقت لگا کر روضہ رسول ﷺ پر جاتے ہیں اور آپ ان کی بارگاہ میں سلام پیش کرتے ہیں تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سلام کا جواب نہیں دیتے اور منہ پھیر لیتے ہیں۔ بس یہ جملہ پڑھ کر مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ چنانچہ میں پوری ڈاڑھی رکھ کر ہی عمرہ کی ادائیگی کے لیے گیا۔

انسان کی زندگی میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں، 1977ء میں مَیں نے ننکانہ صاحب میں بھٹو صاحب کے خلاف چلنے والی قومی اتحاد کی تحریک میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور قومی اتحاد کے لیڈروں کی تقریریں سننے کے لیے ننکانہ صاحب سے لاہور آیا کرتا۔ یہ بعد کی بات ہے کہ جب میں نے بھٹو صاحب کے قادیانیوں کے حوالے سے کردار کا مطالعہ کیا تو پھر میں نے انہیں ایک عظیم مسلمان لیڈر کے طور پر تسلیم کر لیا اور آج انہیں اچھے الفاظ میں یاد کرتا ہوں۔

قومی اتحاد کے جن لیڈروں کی تقریریں مجھے پسند تھیں ان میں رفیق باجوہ مرحوم سرفہرست ہیں۔ باجوہ صاحب کمال کے مقرر تھے۔ جب بولتے تو پورے مجمع پر ایک خاموشی چھا جاتی اور ہر طرف باجوہ صاحب ہی کی آواز گونج رہی ہوتی۔ لوگ ہمہ تن گوش ہو کر ان کی تقریر سنا کرتے۔ وہ اپنی گفتگو میں تجسس بہت پیدا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر، وہ کہتے تھے کہ "صاحبو! جانتے ہو کہ کتا فقیر پر کیوں بھونکتا ہے؟ کتا اس لیے بھونکتا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میرے مالک سے کیوں مانگتا ہے اپنے مالک سے مانگ"۔ پھر کہتے کہ صاحبو! "غرور نہ کیا کرو۔ کسی کو چھوٹا ہرگز نہ سمجھو۔ دیکھو! پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا شخص اگر یہ سمجھتا ہے کہ زمین پر بیٹھا شخص اسے "بونا" نظر آتا ہے تو اسے یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ زمین والے شخص کو بھی آپ "بونے" نظر آ رہے ہیں"۔ باجوہ صاحب اس طرح کے فقروں سے جلسے میں ایک سماں باندھ دیتے تھے۔ پھر وہ کہتے تھے کہ "متحد ہو جاؤ۔ چڑیاں جب اکٹھی ہو جائیں تو شیر کی کھال اتار سکتی ہیں"۔ پھر وہ پیپلز پارٹی کی طرف آتے اور اسے خوب رگڑا لگاتے۔ دوسری طرف پیپلز پارٹی کے مولانا کوثر نیازی بھی کمال کے مقرر تھے۔ ان کی خطابت کا ایک اپنا ہی رنگ تھا۔

1974ء میں قومی اسمبلی میں قادیانیوں کے امیر مرزا ناصر کے ساتھ علماء اور مشائخ کی 13 دن تک مسلسل بحث ہوتی رہی۔ جس وقت قادیانیوں کے خلاف مولانا شاہ احمد نورانیؒ کی طرف سے قرارداد قومی اسمبلی میں پیش ہوئی تو ہونا یہ چاہیے تھا کہ اس پر اسمبلی کے ارکان کی ووٹنگ کروائی جاتی جیسا کہ عام طور پر قراردادوں میں ہوتا ہے لیکن یہاں پر بھٹو صاحب نے ووٹنگ نہیں کروائی۔

بھٹو کا کارنامہ

بھٹو صاحب اصل میں قادیانیوں کو مکمل موقع دینا چاہتے تھے کہ وہ اپنا موقف پیش کریں۔ لہٰذا انہوں نے ہدایت کی کہ قرارداد پر بجائے ووٹنگ کرانے کے براہ راست اس جماعت کے سربراہوں (قادیانی اور لاہوری گروپ) کو یہاں بلائیں اور ان کا موقف بھی سن لیں۔ یہ میں سمجھتا ہوں کہ بھٹو صاحب کی بڑی بصیرت اور دوراندیشی تھی کہ انہوں نے قادیانیوں کو اپنا موقف پیش کرنے کا بہترین موقع دیا تاکہ کوئی ابہام نہ رہ جائے۔ بھٹو

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

صاحب کے اس فیصلہ پر تمام اپوزیشن جماعتیں بھی متفق ہوگئیں۔ اس وقت پاکستان کے اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار تھے۔ اللہ ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، بہت عظیم انسان تھے۔ انہوں نے جس انداز سے یہ مقدمہ لڑا ان سے یقیناً اللہ کریم ضرور خوش ہوئے ہوں گے۔ یحییٰ بختیار صاحب نے تیرہ دن تک قادیانیوں اور ان کے دوسرے دھڑے لاہوری قادیانیوں پر جرح کی۔ یہاں میں معذرت کے ساتھ یہ کہنا چاہوں گا اگر اس انتہائی نازک موقع پر یحییٰ بختیار کے علاوہ کوئی صاحب ہوتے یا کوئی عالم دین ہوتے تو شاید غصے میں آجاتے اور معاملہ مزید بگڑ جاتا لیکن بختیار صاحب نے یہ کیس بہت ہی اچھے انداز میں لڑا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ علمائے کرام یحییٰ بختیار کو مسلسل اس کیس کی تیاری کرواتے رہے لیکن بہرحال جرح کے موقع پر بختیار صاحب وہ بڑے ہی نپے تلے انداز میں اپنا موقف پیش کرتے۔ ان کا انداز نہایت دھیما اور دلائل سے مزین ہوتا۔

یحییٰ بختیار سے ملاقات

میری ان سے ملاقات لاہور ہائی کورٹ میں ہوئی ہے۔ یہ غالباً 1987ء کی بات ہے۔ ان سے تفصیلی بات ہوئی اور وہ بہت ہی خوش ہوئے۔ وہ ختم نبوت کے محاذ پر اپنے کام کو اپنے لیے ایک بہت بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمایئے تو کہنے لگے کہ ایک بات یاد رکھیں کہ اگر آپ نے ردِقادیانیت پر کام کرنا ہے اور جب بھی کسی قادیانی سے گفتگو یا مباحثہ کرنا ہے تو آپ کے پاس مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر احمد ایم اے کی کتاب ''کلمۃ الفصل'' ضرور ہونی چاہیے، اس کے بغیر مناظرہ کبھی نہ کرنا۔ یہ خطرناک ترین کتاب ہے اور اس میں قادیانیت کے عقائد کا اصل چہرہ موجود ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے کہ اس پر سپریم کورٹ اور قومی اسمبلی کے ارکان اور بھٹو صاحب جیسا بندہ بھی ششدر رہ گیا تھا۔ میں مختصر طور پر بتاتا چلوں کہ اس کتاب میں مرزا قادیانی کے بیٹوں نے اپنے باپ کے عقائد کی تشریح کر دی ہے۔ لکھا ہے کہ اذان، نماز، قرآن سمیت جہاں کہیں بھی لفظ ''محمد'' آئے گا اس سے مراد مرزا قادیانی ہے۔ (نعوذ باللہ)

بہرحال جس وقت قادیانی جماعت کا تیسرا خلیفہ مرزا ناصر قومی اسمبلی میں داخل ہوا تو اس کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تسبیح تھی۔ سر پر عمامہ تھا اور ہاتھ میں سنت کے مطابق عصا تھا۔ مکمل ڈاڑھی تھی۔ تہبند باندھا ہوا تھا۔ ٹخنوں سے اوپر شلوار تھی۔ اور یہ اسمبلی میں درود شریف پڑھتے ہوئے آیا۔ اس حالت میں انہیں دیکھ کر بھٹو صاحب چکرا کر رہ گئے کہ یہ ہم کن لوگوں کو کافر قرار دینے جارہے ہیں۔ انہوں نے مفتی محمودؒ سے کہا کہ کیا ہم ان لوگوں کو کافر قرار دیں گے؟ مفتی صاحب نے جواب دیا کہ یہ سراسر دھوکا ہے۔ یہاں پر مجھے ایک بات یاد آگئی کہ سپریم کورٹ آف پاکستان کے فل بنچ نے اپنے ایک کیس ''ظہیر الدین بنام سرکار۔ 1993ء، صفحہ نمبر 1718'' میں لکھا ہے کہ قادیانی دھوکہ باز قسم کے غیر مسلم ہیں۔ حالانکہ ہندو، سکھ وغیرہ بھی تو غیر مسلم ہیں سپریم کورٹ نے انہیں ''دھوکا باز'' نہیں کہا لیکن قادیانیوں کے متعلق واضح لکھا کہ یہ دھوکا باز ہیں۔ تو یہاں پر مفتی صاحب نے بھٹو صاحب سے کہا کہ یہ سراسر دھوکا ہے اور ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ بھٹو صاحب اگر چاہتے تو ان

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

حالات میں استعفا دے سکتے تھے یا ملک کو خون خرابے کی طرف دھکیل سکتے تھے لیکن انہوں نے واضح سٹینڈ لیا اور قادیانیوں کے 90 سالہ سلگتے مسئلے کو حل کرتے ہوئے انہیں کافر اقلیت قرار دے دیا۔ سچ پوچھیے تو جب بھی بھٹو صاحب کا نام سامنے آتا ہے تو میری گردن انتہائی احترام کے ساتھ جھک جاتی ہے۔

میں تحریک نظام مصطفیٰ میں ایک بار گرفتار بھی ہوا۔ واقعہ یوں پیش آیا کہ ننکانہ صاحب میں ایک جلسے کے دوران میں تقریر کر رہا تھا تو لڑائی ہوگئی جس میں میرے خلاف بھی کیس بنادیا گیا۔ حالانکہ میں نے صرف تقریر کی تھی اور کوئی لڑائی نہیں کی تھی۔ میں گرفتار ہوا تو یہ مارشل لا کا دور تھا۔ ضلع شیخوپورہ میں کرنل بشیر صاحب ''ڈپٹی ایڈمنسٹریٹر مارشل لا'' تھے۔ انہوں نے مجھے نو ماہ قید اور پندرہ کوڑوں کی سزا سنائی۔ یہ سب کچھ آن ریکارڈ ہے۔ اس کیس میں مجھے شیخوپورہ جیل بھیج دیا گیا۔ جب میں جیل میں داخل ہوا تو مجھے ایک وارڈن نے کہا کہ وہ جھاڑو اٹھالو اور پوری جیل کو صاف کر ڈالو۔ میں بڑا حیران ہوا کہ میں تو کسی اخلاقی جرم میں نہیں آیا تو اس قدر بڑی سزا مجھے کیوں دی جارہی ہے؟ مجھے پھر کسی نے بتایا کہ اس مصیبت سے نکلنے کا ایک ہی حل ہے کہ اگر آپ کے پاس سو روپے ہیں تو وہ اس اہلکار کو دے دو۔ جیل چالان کے وقت میرے بڑے بھائی نے کچھ رقم میری جیب میں ڈال دی تھی جو اس وقت میرے کام آئی اور میں نے سو روپے اس وارڈن کو دے دیئے تو اس نے کہا کہ آپ ہر ماہ اتنی رقم مجھے دے دیا کریں تو آپ کو ہم تنگ نہیں کریں گے۔ اللہ کا کرم یہ ہوا کہ میں بیس دن کے بعد رہا ہوگیا۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ جو عادی مجرم قتل کے کیسوں میں ملوث تھے وہ جیل سپرنٹنڈنٹ کے ساتھ بیٹھ کر چائے پیتے تھے۔ یہ بڑے بڑے مافیاز کے لوگ تھے۔

جیل کا پہلا کھانا

میں نے جیل میں پہلے دن جو کھانا کھایا بتایا گیا کہ یہ ساگ پکا ہوا ہے لیکن وہ جانوروں کو ڈالنے والا ''شتالہ'' تھا۔ غرض میں نے صرف بیس دنوں میں بہت سے انسانیت سوز مظالم دیکھے۔ لاچار اور بے بس قیدیوں کو ذلیل و خوار ہوتے اور مافیاز کے لوگوں اور عادی مجرموں کو عیش کرتے دیکھا۔ وہاں میں نے یہ بھی دیکھا کہ قتل کے کئی قیدی رات کو خواب میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتے اور بڑی خوفناک آوازیں نکالتے تو میں دوسرے دن ان سے پوچھتا کہ آپ کو ڈراؤنے خواب کیوں آتے ہیں تو وہ جواب دیتے کہ جس بندے کو ہم قتل کر کے آئے ہیں وہ خواب میں آتا ہے تو ہم ڈر جاتے ہیں۔

جیل میں ایک دن میں نے دیکھا کہ ایک شخص چنے بیچ رہا تھا اور آواز لگا رہا تھا۔ میں نے ایک قیدی سے کہا کہ یار اس بندے سے چنے لے کر کھاتے ہیں تو وہ ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ جناب وہ چنے نہیں بیچ رہا چرس فروخت کر رہا ہے اور اپنے مخصوص ''کوڈ ورڈ'' میں آواز لگا رہا ہے اور سمجھنے والے سمجھ رہے ہیں۔

یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ اگر کوئی معصوم آدمی غلطی سے جیل میں چلا جائے اور چند دن وہاں رہ کر آئے تو وہ عادی مجرم بن جاتا ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بچ پاتے ہیں۔ جیل میں کم عمر بچوں کے ساتھ جنسی درندگی بہت زیادہ ہے اور یہ سب کچھ جیل عملے کی ملی بھگت سے ہوتا ہے، جیل عملہ عادی مجرموں سے پیسے لے کر کوئی نو عمر قیدی ان کی بیرک میں بھیج دیتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر کسی

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

نے جہنم کا ایک نظارہ دیکھنا ہو تو وہ پاکستانی جیلوں کی حالت زار دیکھ لے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے قیدیوں پر تشدد کے ہولناک مناظر دیکھے۔ میں بیس دن جیل میں رہا اور ہماری گوجر برادری کے کچھ لوگوں نے جنرل سوار خان سے اپیل کی تو انہوں نے میری سزا ختم کر کے رہا کرنے کا حکم دیا۔

میری تحریکی زندگی کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ جب مذہبی جماعتوں نے شناختی کارڈ میں مذہب کے اندارج کا معاملہ اٹھایا، اس وقت چوہدری شجاعت حسین صاحب وزیر داخلہ تھے۔ پہلے تو حکومت نے ہمارا مطالبہ مان لیا لیکن بعد میں قادیانیوں اور عیسائیوں کے احتجاج کے باعث یہ فیصلہ واپس لے لیا گیا۔ شناختی کارڈ والے مسئلہ پر قادیانیوں کا احتجاج تو بجا تھا کہ انہیں واضح طور پر لکھوانا پڑتا کہ ہم غیر مسلم ہیں کیونکہ اگر وہ یہ لکھواتے کہ ہم مسلمان ہیں تو پاکستان کے قانون C-298 تعزیراتِ پاکستان کے تحت ان کے خلاف پرچہ درج ہوتا۔ کیونکہ قانون میں تو واضح موجود ہے کہ وہ خود کو مسلمان نہیں لکھ سکتے۔

اب یہاں پر قادیانیوں نے دھوکے کے ساتھ پاکستان کی عیسائی کمیونٹی کو بھی ساتھ ملا لیا اور عیسائی بھی احتجاج پر اتر آئے۔ لیکن یہ بات طے ہے کہ پاکستان میں عیسائیوں کے لیڈر جے سالک نے دانستہ طور پر اور اپنے ذاتی مفادات کے حصول کے لیے قادیانیوں کا ساتھ دیا تھا۔ اب سوچنے کی بات یہ تھی کہ ایک عیسائی کو شناختی کارڈ پر یہ لکھوانے میں کیا حرج ہے کہ وہ ''عیسائی'' ہے۔ یورپ میں کسی بھی عیسائی سے پوچھیں تو وہ فخر سے کہے گا کہ میں کرسچن ہوں۔ جو بھی مذہب ہے اس کے ماننے والے اس کے متعلق فخر سے بتاتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہندو، سکھ، یہودی، عیسائی، مسلمان سبھی اپنے اپنے مذہب کے متعلق واضح بتاتے ہیں۔ یوں شناختی کارڈ کے معاملے پر عیسائیوں کا احتجاج ہماری سمجھ سے باہر تھا۔ عیسائیوں نے پورے پاکستان میں خوب جلوس نکالے اور شناختی کارڈ والے فیصلے کو سختی سے مسترد کر دیا۔ چنانچہ اس معاملے کے متعلق میں نے جے سالک سے ملاقات کا فیصلہ کیا اور ''انجام آتھم'' کتاب لے کر اس کے پاس پہنچ گیا۔ ''انجام آتھم'' قادیانیوں کی ایک کتاب ہے۔ آتھم ایک عیسائی تھا اور اس نے مرزا قادیانی کو برا بھلا کہا اور کچھ عرصہ بعد وہ مر گیا تو مرزا نے کہا کہ یہ میری بددعا سے مرا ہے۔ آپ اس پوری کتاب کی ایک لائن بھی نہیں پڑھ سکتے کیونکہ اس میں حضرت عیسیٰؑ کی واضح توہین ہے۔

جے سالک اس وقت لاہور ہائی کورٹ بار آفس کے باہر بیٹھے تھے۔ ہائی کورٹ میں ایک پرانا بوہڑ کا درخت ہے جس کے نیچے ساری شخصیات بیٹھی ہوتی تھیں۔ وہیں پر صحافی وغیرہ بھی موجود ہوتے، ہائی کورٹ کا پہلا سٹاپ یہی درخت ہوتا اور وہیں پر مختصر محفل جم جاتی۔ میں جے سالک سے بھی اسی مقام پر ملا اور انہیں ''انجام آتھم'' کتاب دی اور کہا کہ آپ قادیانیوں کے ہاتھوں کھیل رہے ہیں جبکہ وہ تو آپ کو بھی اچھا نہیں سمجھتے اور حضرت عیسیٰؑ کی بھی کھلی توہین کرتے ہیں۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ شناختی کارڈ میں مذہب کے خانے کے متعلق آپ کا اعتراض کسی صورت نہیں بنتا۔ مجھے اس پر بڑی حیرت ہوئی کہ جے سالک کہنے لگے کہ ''مجھے بہتر معلوم ہے کہ میں نے کیا کرنا ہے۔ آپ ہمیں نہ سمجھائیں''۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ جے سالک صاحب مخصوص طاقتوں کے اشاروں اور اپنے ذاتی مفاد کی خاطر ہی کام کرتے ہیں۔

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

ختم نبوت کے محاذ پر جناب مجیب الرحمٰن شامی کا بہت زیادہ فکری اور نظریاتی کام ہے۔ مجھے یاد ہے کہ قومی ڈائجسٹ نے کسی زمانے میں قادیانیت پر ایک خاص شمارہ شائع کیا تھا اور یہ پورے ملک میں "ہاٹ کیک" کی طرح فروخت ہوا تھا۔ شامی صاحب نے اس کی قیمت بھی معمولی رکھی تھی۔ سینئر صحافی شفیق مرزا (مرحوم) نے مجھے یہ بات بتائی تھی کہ قادیانی اس خاص شمارے سے اس قدر خائف ہوئے کہ انہوں نے دکانوں سے یہ شمارے خرید کر بڑی تعداد میں ضائع بھی کیے تاکہ یہ مسلمانوں تک نہ پہنچ سکیں۔

میں اپنے دور کے جن کالم نگاروں سے بہت زیادہ متاثر ہوا ان میں خورشید گیلانی بھی شامل ہیں۔ انہوں نے غازی علم دین شہیدؒ پر جو ایک تحریر لکھی، اس کا جواب نہیں۔ روزنامہ جنگ میں رفیق باجوہ مرحوم (قومی اتحاد کے سربراہ) بھی کالم لکھتے، میں انہیں شوق سے پڑھتا۔ ان کا کالم بہت خوبصورت ہوتا، وہ علامہ اقبالؒ کی شاعری کو اپنی عمدہ نثر میں بیان کرتے۔ ان کے کالموں کا مجموعہ "بولتے زخم" بھی چھپا تھا۔ اسی طرح ضیا شاہد روزنامہ جنگ میں "جمعہ بخیر" کے عنوان سے لکھتے تھے۔ ان کا کالم بھی مجھے بہت پسند تھا۔ جاوید چودھری بھی اچھا لکھتے ہیں۔ حافظ شفیق الرحمٰن جب روزنامہ دن میں کالم لکھتے تھے تو انہیں مستقل پڑھتا رہا ہوں۔

روزنامہ جنگ لاہور سے 1981ء میں شروع ہوا اس سے پہلے یہ کراچی اور راولپنڈی سے چھپتا تھا۔ جنگ جب لاہور سے شروع ہوا تو اس کی ابتداء ہی میں عبدالقادر حسن نے اپنا کالم لکھنا شروع کیا، میں ان کو مستقل پڑھتا تھا۔ اسی طرح میں کوثر نیازی کا بھی مستقل قاری تھا۔ اس دور میں بہت ہی اچھا لکھنے والے تھے۔

خطباء میں رفیق احمد باجوہ، کوثر نیازی اور مولانا اجمل خان کی خطابت نے مجھے بہت متاثر کیا۔ یہ اپنے دور کے بڑے خطیب تھے۔ اس کے بعد ڈاکٹر طاہر القادری اور ڈاکٹر اسرار احمد کی گفتگو بھی بہت دلچسپی سے سنتا تھا۔ واپڈا ہاؤس آڈیٹوریم میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے بیانات ہوتے تو میں مستقل جایا کرتا۔

یہاں اپنے متعلق یہ بھی بتاتا چلوں کہ مجھے سیر وسیاحت کا بڑا شوق ہے اور میں نے پاکستان کے تمام اہم مقامات دیکھے اور فطری مناظر سے لطف اندوز ہوا ہوں۔ میرا بچپن سے ایک خواب تھا جس کی تعبیر مجھے مارچ 2019ء میں ملی۔ وہ خواب یہ تھا کہ میں ترکی جاؤں اور خلافتِ عثمانیہ کی سرزمین دیکھوں اور اس سرزمین پر محفوظ حضور کریم ﷺ، صحابہ کرامؓ واہل بیتؓ کے جتنے بھی تاریخی نوادرات ہیں وہ دیکھوں۔ یہ ساری تاریخی چیزیں استنبول کے میوزیم "توپ کاپی" میں محفوظ ہیں۔ میں جب بھی کسی کتاب میں خلافتِ عثمانیہ اور ترکی کا ذکر پڑھتا تو ترکی دیکھنے کا بے حد اشتیاق پیدا ہوتا۔

میں نے استنبول جانے کا پروگرام بنایا اور وہاں کی سیر وسیاحت کے بعد واپسی پر عمرہ کا مقدس فریضہ بھی سرانجام دیا۔ میں نے استنبول میوزیم میں بہت کچھ دیکھا۔ بالخصوص حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ کی تلواریں دیکھنے والی ہیں۔ یہ تلواریں بالکل منفرد ہیں۔ یعنی اس زمانے میں جو تلواریں ہوتی تھیں یہ دونوں ان سے بالکل منفرد ہیں، تلواروں کی چوڑائی تین انچ ہے لیکن حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ کی تلواروں کے پھل کی چوڑائی کم از کم چھ انچ ہے، میں بڑا حیران ہوا کہ ان دو حضرات کی تلواریں اس دور کی تلواروں سے بالکل مختلف اور دیوہیکل تھیں۔ یہ

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

بھاری بھرکم تلواریں حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ کی بہادری اور دلیری کی واقعی گواہی دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ حضور کریم ﷺ کے بال مبارک، برتن مبارک بھی دیکھے۔ میوزیم میں مَیں نے وہ اوریجنل خط بھی دیکھا جو حضور نبی کریم ﷺ نے مسیلمہ کذاب کو لکھا تھا۔ ہم یہاں مرزا قادیانی کو ''کذاب'' کہتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ آپ ایسا کیوں کہتے ہیں جبکہ خود نبی اکرم ﷺ نے اپنے مکتوب میں مسیلمہ کو کذاب کہہ کر مخاطب فرمایا۔ اس میوزیم میں ایک ایک چیز دیکھنے کے لائق ہے۔ 22 سال کے مسلمان نوجوان سلطان محمد فاتح نے جس طرح کمال حکمت عملی، فہم و فراست اور فوجی تدبر کے ساتھ قسطنطنیہ (استنبول) فتح کیا یہ تاریخ کا ایک روشن باب ہے اور یہ ایک غیر یقینی داستان ہے۔ استنبول میں ایک ہال ہے جس کا نام ''پنوراما 1453'' ہے۔ اس میں ایک شو لگتا ہے جس میں یہ سارا منظر دکھایا جاتا ہے کہ کس طرح سلطان محمد فاتح نے رومی فوجوں کو عبرت ناک شکست دے کر استنبول فتح کیا۔ یہ بڑا زبردست شو ہوتا ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ترک حکومت نے کمال مہارت سے یہ پورا سین بالکل اسی پرانے انداز میں دکھایا ہے اور گمان گزرتا ہے کہ ہم حقیقت میں اسی جنگ کے میدان میں کھڑے ہیں۔ وہی پرانی توپیں، فوجوں کی لڑائی، چیخ پکار، تلواروں کی جھنکار اور جنگی انداز، سب کچھ اس طرح دکھایا جاتا ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ محض ''شو'' نہیں بلکہ ہم حقیقی نظارہ دیکھ رہے ہیں۔ سارا منظر ہو بہو اسی انداز میں دکھایا جاتا ہے جس طرح ہم کتابوں میں پڑھتے رہے ہیں۔ یہ شو بہت مقبول ہے اور وہاں پوری دنیا سے سیاح آتے ہیں۔ توپ کاپی میوزیم میں سلطان محمد فاتح کی بہت ساری جنگی چیزیں بھی رکھی ہوئی ہیں جنہیں دیکھ کر ان مجاہدین کے جذبہ ایمانی کا اندازہ ہوتا ہے۔ کاش! آج کے مسلمانوں میں بھی ایسا جذبہ ایمانی بیدار ہو سکے اور ہم اپنی کھوئی ہوئی عظمت بحال کر سکیں۔

میں ''قومی ڈائجسٹ'' کا بے حد شکر گزار ہوں کہ اس کے سبب مجھے اپنی یادداشتوں کو محفوظ کرنے کا موقع میسر آیا۔

☆......☆......☆

متین خالد کی کتابیں اور رسائل

(1) جب حضور ﷺ آئے (2) بارگاہِ رسالت ﷺ میں (3) معارف اسم محمد ﷺ (4) مرا پیمبر ﷺ عظیم تر ہے (5) سید الشہداء حضرت حمزہؓ (6) قادیانیت ہماری نظر میں (7) ثبوت حاضر ہیں! (مختصر) (8) ثبوت حاضر ہیں! (جلد اول) (9) ثبوت حاضر ہیں! (جلد دوم) (10) ثبوت حاضر ہیں! (جلد سوم) (11) ثبوت حاضر ہیں! (جلد چہارم) (12) قادیانیت سے اسلام تک (13) فتنہ قادیانیت کے خلاف عدالتی فیصلے۔ (14) Qadyaniat, In the Eye of Law (15) علامہ اقبالؒ اور فتنہ قادیانیت (16) قادیانیت اس بازار میں (17) قادیانیت کی عریاں تصویریں (18) قادیانی راسپوٹینوں کے عبرتناک انجام (19) ربوہ و قادیان، جو ہم نے دیکھا (20) احمدی دوستو! تمہیں اسلام بلاتا ہے! (21) معلوماتِ ختم نبوت (سوالاً جواباً) (22) قادیانیت اسلام کے نام پر دھوکا (23) اسلام کا سفیر (قائد اعظمؒ) (24)

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

رشتے محبت کے (زیر طبع) (25) قادیانیوں سے فیصلہ کن مناظرے (26) کامیاب مناظرہ (27) قادیانیت ایک دہشت گرد تنظیم (28) غدارِ پاکستان (29) وحید الدین خان، اسلام دشمن شخصیت (30) ملالہ یوسف زئی، اسلام دشمن طاقتوں کا نیا مہرہ (31) قادیانیت انگریز کا خود کاشتہ پودا (32) قادیانیوں کو لاجواب کیجیے (33) حیاتِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور قادیانیت (زیر طبع) (34) تحفظ ختم نبوت، اہمیت اور فضیلت (35) شہیدانِ ناموس رسالت ﷺ (36) شہید ناموسِ رسالت ﷺ عامر عبدالرحمٰن چیمہ (37) کیا امریکہ جیت گیا؟ (38) حقوق انسانی کی آڑ میں (39) آزادیٔ اظہار کے نام پر (40) راجپال کے جانشین (41) ناموس رسالت ﷺ کے خلاف بینظیر فیصلہ (42) ناموس رسالت ﷺ کے خلاف امریکی سازشیں (43) ناموس رسالت ﷺ کے خلاف مغرب کی شر انگیزیاں (44) توہین رسالت کے مرتکبین کے خلاف سیشن کورٹس کے یادگار فیصلے (45) ناموسِ رسالت ﷺ، مغرب اور آزادیٔ اظہار (46) قانونِ تحفظ ناموس رسالت ﷺ (زیر طبع) (47) تحفظ ناموس رسالت ﷺ، اعتراضات و جوابات (زیر طبع) (48) عیسائیت کے تعاقب میں (49) پادریوں کے کرتوت (50) اُف یہ پادری (51) شوگر کو شکست دیں (52) کمپیوٹر کے مسائل اور ان کا حل (53) کمپیوٹر کی بیماریاں اور ان کا علاج (54) اسلام انٹرنیٹ پر (55) پاکستان انٹر نیٹ پر (56) انٹرنیٹ ڈائریکٹری (57) کمپیوٹر خود سیکھیں۔ (58) The Advance Dictionary۔ (59) F r a z Encyclopedia of FAQ Science Internet Directry(60)

پمفلٹس/رسائل: 1- عقیدۂ ختم نبوت اور فتنۂ قادیانیت 2- قادیانی عقائد 3- غیرتِ مسلم زندہ ہے 4- تحفظ ختم نبوت، جنت کا راستہ 5- مرزا طاہر کا عبرتناک انجام 6- قادیانی چھلاوہ 7- قادیانیوں کی شرعی حیثیت اور ان کا مکمل بائیکاٹ 8- قادیانیوں سے متعلق عدالتی فیصلے 9- فتنۂ قادیانیت، آئین و قانون کیا کہتا ہے؟ 10- قادیانیت پر تبصرے 11- ایسے بھی ہوتے ہیں خوش نصیب! 12- یہ ہے قادیانی اخلاق!!! 13- احمدی دوستو! تمہیں اسلام بلاتا ہے 14- الفاظ اپنا حق مانگتے ہیں 15- اہل بیتؓ اور قادیانیت 16- معلوماتِ ختم نبوت (سوالاً جواباً) 17- مرزا قادیانی کی ایک شرمناک تحریر 18- ڈاکٹر عبدالسلام، تصویر کا دوسرا رخ 19- قادیانیت، اعلیٰ عدالتیں کیا کہتی ہیں 20- قادیانیت انگریز کا خود کاشتہ پودا 21- قادیانی فرقے 22- جب کوئی مسلمان قادیانی مذہب قبول کرتا ہے 23- حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام اور فتنۂ قادیانیت 24- مرزا قادیانی کی علمی حیثیت 25- حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ اور فتنۂ قادیانیت 26- پاکستان کے خلاف قادیانی سازشیں 27- پارلیمنٹ میں قادیانی شکست 28- مرزا قادیانی کے جھوٹ 29- محمدی بیگم 30- مرزا قادیانی کی پیش گوئیاں 31- Qadyaniat, What Law & Constitution Say? 32- ماں 33- باپ 34- بیوی 35- بیٹی 36- قانون تحفظ ناموسِ رسالت ﷺ 37- غازی علم الدین شہیدؒ 38- اتحاد بین المسلمین، وقت کی اہم ترین ضرورت 39- یادگار فیصلہ 40- دھوکے باز غیر مسلم؟

O……❀……O

Scanned by CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner